ماہنامہ
محدث
بنارس

مارچ واپریل ۲۰۲۴ء ◆ رمضان وشوال ۱۴۴۵ھ

شب معراج ولیلۃ الاسراء ۲
تزکیہ واصلاح نفس میں روزے کا کردار ۷
روزہ کا معنی ومفہوم، حکمت، وفوائد اور چند مشہور غلطیاں ۱۱
رزق میں وسعت وکشادگی کے اسباب ۲۹
میرے یار، میرے دوست تم بھی ساتھ چھوڑ گئے ۳۸

دار التالیف والترجمہ، بنارس، الہند

دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

مجلہ محدث بنارس

جلد: ۴۱
شمارہ: ۳-۴

رمضان وشوال
۱۴۴۵ھ
مارچ واپریل
۲۰۲۴ء

اس شمارہ میں

۱-شب معراج ولیلۃ القدر	عبداللہ سعود سلفی	۲
۲-رمضان کا روزہ گناہوں کا کفارہ	ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ	۴
۳-تزکیہ واصلاح نفس میں روزے کا کردار	مدیر	۷
۴-روزہ کا معنی ومفہوم، حکمت، فوائد وچند...	محمد محب اللہ محمدی	۱۱
۵-صدقۃ الفطر کے احکام ومسائل...	عبدالعلیم سلفی	۲۱
۶-رزق میں وسعت وکشادگی کے اسباب	مجاہد الاسلام	۲۹
۷-مدرسۃ البنات اور خواتین...	مطیع الرحمٰن سلفی	۳۱
۸-میرے یار، میرے دوست...	ایم اے فاروقی	۳۸
۹-فارغین مدارس کے لئے چند نصیحتیں	عبیداللہ طیب مکی	۴۸
۱۰-استاد گرامی مولانا عبداللہ فیضی رحمہ اللہ	سمیع اللہ تیمی	۵۱
۱۱-اخبار جامعہ	مولانا دل محمد سلفی	۵۷
۱۲-باب الفتاویٰ	مولانا نورالہدیٰ سلفی	۵۸

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد ایوب سلفی

معاون مدیر
اسرار احمد ندوی

مجلس مشاورت
مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا صلاح الدین مقبول مدنی
مولانا محمد یونس مدنی
ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی

بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان:	300	روپئے
خصوصی تعاون:	1000	روپئے
بیرون ممالک:	50	ڈالر امریکی
فی شمارہ:	30	روپئے

ارسال کا پتہ

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں
Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **INDIAN BANK,** KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: IDIB000V509

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

شب معراج ولیلۃ الاسراء

عبداللہ سعود سلفی

معراج کا واقعہ اللہ کے پیارے وآخری رسول حضرت محمد ﷺ کی زندگی کا اہم واقعہ ہے جو مکی دور میں نبوت کے بارہویں سال میں واقع ہوا۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو کسی انسان کو حاصل نہیں۔ قرآن میں ایک سورہ کا نام سورہ الاسراء ہے جس کی پہلی آیت یوں ہے: سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِہِ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہُ لِنُرِیَہُ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّہُ ھُوَ السَّمِیْعُ البَصِیْرُ (اسراء:۱) پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا، جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے کا مشاہدہ کرائیں۔ یقیناً وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو ذکر کر کے اپنی قدرت کو یاد دلا رہا ہے اور یہ بتا رہا ہے کہ اس نے اپنے خاص بندے کو ایک رات میں کیسے کیا کچھ دکھایا۔ مکہ سے بیت المقدس کا فاصلہ طویل ہے ایک رات میں کیسے کوئی جا کر لوٹ سکتا ہے۔ کفار مکہ نے انکار کیا اور بیت المقدس کی نشانیوں کے بارے میں پوچھا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے سوالات کا تشفی بخش جواب بھی دیا۔ اس سفر میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام براق پر سوار ہوئے اور حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ آسمانوں پر بھی گئے، ہر آسمان پر دروازہ کھلوایا اور ساتویں آسمان سے بھی اوپر ایسی جگہ تک پہنچے جہاں قلم کے چلنے کی آواز سنائی دی اور جنت وجہنم کے احوال کا مشاہدہ بھی فرمایا، جس کو اللہ جل وعلا نے لنریہ من آیاتنا تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں، کہہ کر بتایا ہے۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام جیتے جاگتے اپنے جسم کے ساتھ براق پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے اور اسی رات واپس بھی آ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس سے بڑی ہے وہ جو چاہے آنکھ جھپکتے انجام دے سکتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکۂ بلقیس کے تخت کے واقعہ میں جب اللہ کی ایک مخلوق آنکھ جھپکتے عرش لا سکتی ہے تو خالق کائنات کی طاقت وقدرت کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو "سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی" سے بیان کیا ہے تاکہ انسان اللہ جل جلالہ کی طاقت وقدرت پر ایمان رکھے۔

یہ واقعہ بہت عظیم ہے، صحابۂ کرام اس کو جانتے تھے۔ اس زمانہ میں بھی یہود اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون سے نجات کے واقعہ کو بطور یادگار مناتے تھے۔ مگر جب یہ حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کے طرز عمل کو دیکھتے ہیں تو یہ بات واضح ہوکر آتی ہے کہ صحابہ کرام اللہ کے پیارے رسول ﷺ سے بے انتہا محبت رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری پر اپنی جان نچھاور کرنے والے تھے۔ پھر بھی معراج کے واقعہ کو یاد کر کے کبھی کوئی جشن نہیں منایا، نہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی میں اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد خیر القرون میں، اس لئے آج اگر کوئی اس واقعہ کو یاد کر کے جشن مناتا ہے یا کوئی شب معراج پر کوئی خاص کام کرتا ہے تو دین اسلام میں نیا کام کرتا ہے جس سے آپ ﷺ نے سختی سے روکا ہے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت ایسے دکھاوے والے کاموں سے پاک ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کام کریں جو اسلام میں ہے، جس کو صحابہ کرام نے بھی کیا ہو اور اگر کوئی سلف کی روش پر چلتے ہوئے نئے دینی کام سے دور رہتا ہے تو ایسے شخص سے بغض رکھنے سے پہلے اللہ کے رسول محمد ﷺ کی ہدایات کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اسی میں کامیابی وبھلائی ہے۔ مسلمانوں کی سربلندی اطاعت رسول میں ہی ہے، اختلاف امت میں نہیں ہے۔

☆☆☆

درس حدیث

رمضان کا روزہ گناہوں کا کفارہ

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: "من صام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه، ومن قام ليلة القدر إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه. (صحيح البخاري: ٣٨، صحيح مسلم: ٧٦٠)

جس شخص نے رمضان کے روزے اللہ پر ایمان اور اس سے اجر کی امید کرتے ہوئے رکھا تو اس کے گزشتہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس شخص نے لیلۃ القدر کا قیام اللہ پر ایمان اور اس سے اجر کی امید کرتے ہوئے کیا تو اس کے گزشتہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

محترم قارئین! سال کے بارہ مہینوں میں سب سے افضل اور سب سے بابرکت مہینہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں اللہ العالمین کی جانب سے جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سارے سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں تاکہ مومن اس ماہ مبارک میں خوب سے خوب نیکیاں کریں، برائیوں سے دور رہیں، شیاطین کے بہکاوے میں نہ آئیں اور زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کر کے اپنے رب سے قریب تر ہو جائیں اور اس کی رحمت و مغفرت کے مستحق بن جائیں۔

کتاب وسنت میں صیام رمضان کی متعدد اور بے شمار فضیلتیں وارد ہیں جس میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ اس ماہ کے روزوں کے بدلے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں بشرطیکہ بندہ کبیرہ گناہوں سے دور ہے جیسا کہ دوسری حدیثوں میں اس کی صراحت ان الفاظ میں آئی ہے: الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن إذا اجتنب الكبائر. (صحيح مسلم: ٢٣٣) پنج وقتہ نمازیں، جمعہ سے لے کر جمعہ تک، رمضان سے لے کر رمضان تک یہ سب چیزیں ان کے درمیان کئے جانے والے گناہوں کے کفارہ ہیں جب کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے اور ان سے بچا جائے۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ گناہوں کی مغفرت اور اس کی تلافی صوم رمضان کی وجہ سے اس وقت ہوگی جب اس روزے دار کے اندر مندرجہ ذیل تین شرطیں پائی جائیں:

۱- پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شخص رمضان کا روزہ ایمان کی حالت میں رکھے یعنی اللہ اور اس کے رسول پر اسے ایمان کامل ہو۔رمضان کے روزے کی فرضیت کی تصدیق ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے جو عظیم اجر وثواب مقرر کر رکھا ہے اس پر اسے یقین ہو۔اس شرط کی دلیل' من صام رمضان إيمانا' میں مذکور لفظ ایمان ہے جس کا مطلب ہے کہ روزہ رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول پر کامل ایمان ہو۔

۲- دوسری شرط یہ ہے کہ روزہ رکھتے ہوئے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر وثواب کی امید رکھے، وہ اس طور سے کہ روزہ خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے رکھے اس میں کسی قسم کا دکھاوا، ریاء ونمود نہ ہو، نہ ہی کسی کی تقلید میں رکھے، نہ ہی کسی کے ڈر سے رکھے۔اس شرط کی دلیل 'من صام رمضان إيمانا واحتسابا' میں مذکور لفظ 'احتساب' ہے، جس کا مطلب ہے کہ اس روزے کے بدلے اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھے۔

۳- تیسری شرط یہ ہے کہ ایک رمضان سے دوسرے رمضان کے درمیان گناہ کبیرہ سے بچا جائے۔گناہ کبیرہ سے مراد ہر وہ گناہ ہے جس پر دنیا میں حد یا آخرت میں عذاب کی دھمکی یا اس کے ارتکاب پر اللہ کے غضب یا لعنت وغیرہ کی وعید سنائی گئی ہو، جیسے اللہ کے ساتھ شرک کرنا، سود کھانا، یتیموں کا مال ہڑپ کر جانا، قتل وخون، والدین کی نافرمانی، زنا کاری، جادو وغیرہ۔ چنانچہ جو لوگ کبیرہ گناہوں سے بچتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے خاص اعزاز وانعام مقرر کر رکھا ہے۔اللہ کا فرمان ہے: إِن تَجْتَنِبُوا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلاً كَرِيماً (النساء:۳۱) اگر تم لوگ کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے تو ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے اور تمہیں بہترین جگہ (یعنی جنت) میں داخل کریں گے لہٰذا ماہ رمضان میں خصوصاً ہر روزے دار کو کبیرہ گناہوں سے کامل اجتناب کرنا چاہئے، اسی وقت ہمارا روزہ، ہمارے صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنے گا۔اس کی دلیل' ورمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن إذا اجتنب الكبائر' ہے۔

یہ بات ہر شخص کو معلوم ہونا چاہئے کہ کتاب وسنت کے نصوص میں جب اعمال صالحہ کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ وہ گناہوں کے لئے کفارہ ہیں تو اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، جیسے وضوء، عرفہ کا روزہ، عاشورہ کا روزہ وغیرہ کیونکہ جب یہ تین عظیم عبادتیں (پنج وقتہ نمازیں، رمضان کے روزے، جمعہ کی نماز) کبیرہ گناہوں کے کفارہ نہیں ہو سکتے، تو پھر ان کے بالمقابل یہ چھوٹی چھوٹی عبادتیں (وضو، عاشورہ کا روزہ، عرفہ کا روزہ) کبیرہ گناہوں کے کفارہ کیسے بن سکتی ہیں اسی لئے جمہور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اعمال صالحہ کبیرہ گناہوں کے لئے کفارہ نہیں بن سکتے بلکہ اس کے لئے صدق دل سے توبہ کرنا لازمی اور ضروری ہے لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ اس ماہ مبارک میں اپنے تمام صغائر وکبائر گناہوں سے توبہ واستغفار کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے، ان سے محبت کرتا ہے: إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (البقرہ:۲۲۲) بدنصیب ہے وہ شخص جو رمضان کا مبارک مہینہ پائے اور اس میں روزہ، نماز، تلاوت قرآن، ذکر واذکار اور توبہ واستغفار

کے ذریعہ اپنے گناہوں کو نہ بخشوا سکے اور رمضان یونہی گزر جائے لہٰذا تمام مسلمانوں کو اس ماہ مبارک میں جملہ عبادات، صدقہ وخیرات کا خوب اہتمام کرنا چاہئے تاکہ اللہ کو راضی کر سکیں اور اس کی عظیم جنت الفردوس میں جگہ پا سکیں۔

حدیث سے ماخوذ فوائد:

۱- رمضان تمام مہینوں میں سب سے افضل وبابرکت مہینہ ہے۔

۲- صیام رمضان کے بدلے بندوں کے صغیرہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

۳-لیلۃ القدر میں قیام کے بدلے میں بندوں کے صغیرہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

۴- مغفرت ذنوب کے لئے تین شرطیں ہیں: ایمان، اجر وثواب کی امید اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب

۵- اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی زیادہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے اس طرح کہ چھوٹے چھوٹے اعمال پر انہیں بڑے بڑے انعامات سے نوازتا ہے۔

☆☆☆

تزکیہ واصلاح نفس میں روزے کا کردار

مدیر

اصلاح اور تزکیہ نفس میں اسلامی عبادات کا بڑا اہم کردار ہے، اسلام دراصل آیا ہی اس لئے ہے کہ وہ اپنی تعلیمات کے ذریعہ انسانی نفوس کا تزکیہ وتربیت کرے، انسانی اخلاق وکردار کی اصلاح ہو اور انھیں سنوارا ومزین کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْأُمِّیِّیْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَإِن کَانُوا مِن قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ (الجمعہ:۲) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت کریمہ کے اندر نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد انسان کا تزکیہ واصلاح قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے اندر تزکیہ واصلاح کا ایک اہم ذریعہ اسلام کی ایک اہم عبادت روزہ کو قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِن قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ (البقرۃ:۱۸۳) اے ایمان والو تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ روزہ نفس کی طہارت اور تزکیہ کے لئے بہت اہم عبادت ہے، اس کا سب سے بڑا مقصد حصول تقویٰ ہے اور تقویٰ انسان کے اخلاق وکردار کے سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ تقویٰ کی انسانی زندگی میں بڑی اہمیت ہے اور انسانی زندگی میں اس کے دوررس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تقویٰ کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہمارے رسول ﷺ اپنے لئے یہ دعا فرماتے تھے: ’’اللهم آت نفسي تقواها وزكها أنت خير من زكها أنت وليها ومولاها ‘‘ (صحیح مسلم:۲۷۲۲) اے اللہ تو میرے نفس کو اس کا تقویٰ نصیب فرما اور اسے پاک کردے تو ہی اسے بہترین پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا دوست اور اس کا سرپرست ہے۔ تقویٰ کو قرآن مقدس کے اندر بہترین زادراہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: وَتَزَوَّدُواْ فَإِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ یَا أُوْلِیْ الأَلْبَابِ (البقرۃ:۱۹۷) اور تم سفرخرچ لے لیا کرو سب سے بہتر سفرخرچ تقویٰ ہے اور اے عقلمندو مجھ سے ہی ڈرتے رہا کرو۔

لفظ تقویٰ وقایہ سے ہے جس کا معنی ہے بچنا، پرہیز کرنا۔ تقویٰ دراصل نام ہے ایسے کاموں سے بچنے کا جو انسان کے لئے نقصان دہ ہوں اور ایسے کام انجام دینے کا جو نفع بخش ہوں۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ انسان

اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اس کی عطا کی ہوئی روشنی میں کرے، اس کی رحمت کی امید رکھے اور اس کی نافرمانی سے دور رہے اور اس کے عذاب سے ڈرتا رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک مقام پر تقویٰ کی جامعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: تقویٰ کا نام ان تمام اوامر کو جو واجب یا مستحب ہیں اسی طرح ان تمام نواہی کو جو تحریمی یا تنزیہی ہیں شامل ہے یعنی اس کے اندر تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد داخل ہیں۔ (مجموع الفتاوی ۱۰/۴۴۱ ٹ۴۳۳،۶۵۸)

دراصل تقویٰ تزکیہ نفس اور اصلاح ذات کا بہترین ذریعہ ہے اور انسان کے اندر یہ صفت اہم عبادت روزہ سے بدرجۂ اتم پیدا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں: روزہ کی عبادت میں انسانی روح کی تربیت و بالیدگی کا جو انتظام کیا گیا ہے وہ قابل توجہ ہے، اسلام نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے تمام کاموں، بدخلقی و بے حیائی کی تمام عادتوں اور ظلم وناانصافی کی تمام صورتوں کو ہمہ وقت حرام قرار دیا ہے لیکن روزہ کی حالت میں اس نے ان منہیات کی شناعت وقباحت کو زیادہ نمایاں کیا ہے اور ایسا اس لئے ہے کہ روزہ اصل میں تربیت کا ایک حکیمانہ انداز اور خدا پرستی کا بے مثال نمونہ ہے، آدمی کی قوت ارادی اگر اس کا ساتھ نہ دے تو وہ چھوٹا بڑا کوئی کام انجام نہیں دے سکتا۔ روزہ کے ذریعہ اسی قوت ارادی کو تقویت دی جاتی ہے اور انسان کو اس بات کا خوگر بنایا جاتا ہے کہ نیکیوں پر عمل اور برائیوں سے کنارہ کشی میں وہ اسی قوت سے کام لے اور نفس کی ترغیب اور حالات کا دباؤ خواہ کتنا ہی ہو لیکن اس کا قدم اللہ کی مرضی کے خلاف نہ اٹھے اور جس کام کے لئے اللہ کا حکم ہو اس کی بجا آوری میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو خواہ اس کی راہ میں مال کی قربانی دینی ہو یا جان کی، قوت ارادی کے اندر سختی وصلابت پیدا کرنے کے لئے انسان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ حلال وجائز کاموں سے بھی ایک متعینہ وقت میں باز رہے۔ نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام اور دیگر مخلص مومنوں کی زندگیوں میں جو محیر العقول کارنامے نظر آتے ہیں ان سب کے پیچھے اس قوت ارادی کی کارفرمائی ہے اور آج ہندی مسلمان جن خطرات میں گھرا ہوا ہے ان سے نجات کے لئے بھی اسی قوت ارادی کی ضرورت ہے۔

تاریخ اسلام میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں امت کو فتح وکامرانی حاصل ہوئی ہے اور جن کا تعلق بھی اسی مہینہ سے ہے اسی قوت ارادی کی تربیت وتقویت کے باعث اس مہینہ کو فتح وغلبہ کا مہینہ کہا گیا ہے۔ اسلام کی تاریخ کا پہلا فیصلہ کن معرکہ غزوۂ بدر اسی مہینے میں پیش آیا تھا، اس میں جس طرح حق کی فتح ہوئی اور مٹھی بھر بے سروسامان مسلمان کافروں پر غالب آئے اس سے ہم واقف ہیں۔ اس غزوہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اسے قرآن نے یوم الفرقان یعنی حق وباطل کے درمیان فیصلہ وامتیاز کا دن کہا ہے۔ غور کیجئے کہ روزہ کی حالت میں کھلے میدان کے اندر دشمنوں کے مقابلے میں

اترنا اور شمشیر بازی کرنا کس قوت ارادی اور اخروی یقین کی نشاندہی کرتا ہے۔دین اسلام کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ اسی طرح کی فدا کاری وجانثاری کا مطالبہ کرتا ہے۔(روزہ وعید الفطر تربیتی نقطۂ نظر سے،از ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری،ص:۲۱۔۲۳)

روزہ ایسی عبادت ہے کہ اس سے دراصل اہل ایمان کی عملی تربیت مقصود ہے اسی لئے رمضان اور روزے کی فضیلت میں جو احادیث نبویہ وارد ہیں ان کے مطالعہ سے روزے کا تربیتی پہلو کھل کر سامنے آتا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزہ کے کہ وہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا اور روزہ ایک ڈھال ہے پس تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو دل لگی کی باتیں نہ کرے اور نہ ہی شور وغل کرے اور اگر اسے کوئی گالی دے یا اس سے لڑائی جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ میں تو روزے دار ہوں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے،روزے دار کے لئے دو خوشی کے موقعے ہیں جن میں وہ خوش ہوتا ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے تو اپنے روزہ کھولنے سے خوش ہوتا ہے اور جب اپنے رب سے ملے گا تو اس کی جزاء دیکھ کر اپنے روزے سے خوش ہوگا۔

بخاری کی ایک اور روایت میں ہے یہ اپنا کھانا پینا اور اپنی جنسی خواہش میرے لئے چھوڑتا ہے،روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا۔اور باقی ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ہر انسان کے نیک عمل کو دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر روزے کا معاملہ دیگر نیکیوں سے مختلف ہے،روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا جزاء دوں گا،میری وجہ سے وہ اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے،روزے دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی اس کے افطار کے وقت اور ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت اور یقیناً اس کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔(صحیح بخاری:کتاب الصوم،باب وجوب صوم رمضان،صحیح مسلم:کتاب الصیام،باب فضل الصیام)

روزے کے تربیتی پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے:من لم یدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في أن يدع طعامه وشرابه .(صحیح بخاری،کتاب الصیام،باب من لم یدع قول الزور)جو جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ یہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے عمل کی حاجت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ دار جھوٹ،باطل اور بے ہودہ اقوال واعمال سے پرہیز نہیں کرے گا تو اس کا روزہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہ ہوگا اور اسے صرف بھوک و پیاس ہی ہاتھ لگے گی۔اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسے لوگ روزے کی حالت میں کھانا پینا شروع کردیں بلکہ اصل مقصود اس تنبیہ سے یہ ہے کہ ہر قسم کی معصیت سے اپنے آپ کو بچائیں تاکہ ثواب کے مستحق بن سکیں اور روزے داروں کی عملی تربیت ہو سکے۔روزے کا مقصد صرف طعام وشراب اور شہوت کو چھوڑ دینا ہی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ تمام لغویات اور بری باتوں سے اجتناب اور ہر قسم کی خوبیوں سے اور

اچھے اخلاق وکردار سے اپنے آپ کو آراستہ کیا جائے۔

صاحب مرعاۃ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب مرعاۃ المفاتیح کے اندر قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ روزہ کی فرضیت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ بندہ بھوک پیاس سے دوچار ہو اور اسے اپنی محرومی وکمزوری کا احساس ہو بلکہ یہ مطلوب ہے کہ نفسانی خواہشات پر اللہ کی اطاعت کا جذبہ غالب آجائے اور نفس امارہ جو برائیوں کا حکم دیتا ہے نفس مطمئنہ نیک عمل پر آمادہ کرتا ہے اور نیکیوں سے مطمئن ہوتا ہے ماتحت ہوجائے، اگر روزہ سے یہ کیفیت حاصل نہ ہو سکے تو یہ عبادت اللہ کے دربار میں مقبول نہ ہوگی۔ (مرعاۃ المفاتیح: ۶/ ۴۷۸)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے روزے کے فوائد اور اس کے تربیتی پہلو کو کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے: روزہ ایک بہت بڑی نیکی ہے، وہ ملکیت کو قوی کرتا ہے اور بہیمیت کو کمزور کرتا ہے اور روح کے چہرے کو صیقل کرنے اور طبیعت کو مغلوب کرنے میں اس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور روزہ گناہوں کو مٹاتا ہے۔ بہیمیت کا جوش مضمحل ہونے کے بقدر، اور روزہ کی وجہ سے فرشتوں سے بہت بڑی مشابہت پیدا ہوتی ہے اور ملائکہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، وہ شخص بہیمیت کے کمزور پڑنے کے بعد فرشتوں کی محبت سے جڑنے کی جگہ بن جاتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ص: ۷۵)

ایک روزہ دار جب روزہ رکھتا ہے تو وہ روزے کی حالت میں بھوک پیاس کی شدت کو برداشت کرتا ہے، اس بھوک و پیاس کی شدت سے اسلام دراصل اپنے ماننے والوں کے اندر یہ احساس پیدا کرنا چاہتا ہے کہ وہ فقراء ومساکین اور مفلوک الحال لوگوں کے حالات پر بھی نظر رکھے کہ ان کے فقر وفاقہ کے ایام وشب کیسے گزرتے ہیں، انھیں پیٹ بھر کھانا میسر نہیں ہوتا ہے۔ اسلام امیروں اور خوشحال لوگوں کی تربیت کرنا چاہتا ہے کہ وہ ہمہ وقت فقراء ومساکین کی خبر گیری کرنے اور ان کے تعاون کے لئے تیار رہیں۔ ان کے اندر تعاون، ہمدردی، غمخواری وغمگساری کا جذبہ پیدا ہو اور ان کے اس جذبے سے سماج ومعاشرہ کو فائدہ پہنچے۔ حاصل یہ ہے کہ روزہ سے بندوں کی ایسی تربیت مقصود ہے جس سے وہ اپنی اگلی زندگی اللہ کی اطاعت ومرضی کے مطابق گزار سکیں اور زندگی ہر اعتبار سے اطاعت الٰہی میں گزرے، وہ اللہ کے اوامر کی پابندی اور نواہی ومنکرات سے اجتناب کرسکیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے، آمین ثم آمین۔

☆☆☆

روزہ کا معنی ومفہوم،حکمت،وفوائداور چند مشہور غلطیاں

محمد محبّ اللہ المحمدی،سپول، بہار

عربی لغت میں روزہ کو الصوم کہتے ہیں جو باب صام یصوم وصیاما سے مصدر ہے،اس لفظ کا مادہ ص۔و۔م اور صوم کا لغوی معنی ہے ''کام سے رُک جانا'' کسی جگہ پر ٹھہر جانا۔ کھانے پینے، گفتگو کرنے اور چلنے سے رک جانے کو بھی صوم کہتے ہیں۔لغوی معنی کے لحاظ سے ''صوم'' کا اطلاق صرف روزے پر ہی نہیں ہوتا بلکہ عربی میں کہتے ہیں۔ صامت الریح ہوا تھم گئی۔ صام النھار ظہر کا وقت ہو گیا (کیونکہ اس وقت آفتاب نصف النہار پر رکا ہوتا ہے۔) اسی سے ''صامت الشّمس'' بھی کہا جاتا ہے یعنی سورج نصف النہار پر مرکوز ہے۔ لہٰذا ''صوم الصائم'' سے مراد کھانے پینے اوران تمام امور سے باز آجانا ہے جن سے اسے منع کیا گیا ہو۔گفتگو سے رک جانے کو بھی ''صوم'' ہی کہتے ہیں۔سورہ مریم میں ہے:

فَقُولِيٓ إِنِّي نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمَٰنِ صَوۡمٗا فَلَنۡ أُكَلِّمَ ٱلۡيَوۡمَ إِنسِيّٗا (مریم۲۶)

(کہ بے شک میں نے خدا کی رضا کی خاطر چپ کا روزہ رکھا ہے)

اور ساتھ ہی تشریح وتوضیح بھی کردی: فَلَنۡ أُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ إِنسِيّٗا.

(کہ میں آج کسی انسان سے بات نہ کروں گی)

قرآن مجید ہی سے ثابت ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا وہ روزہ کھانے پینے سے رُک جانے کا نہ تھا کیوں کہ اس سے پہلے خود رب سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انہیں حکم ہوا تھا: فَكُلِي وَاشۡرَبِي (کھجوریں کھا اور چشمے کا پانی پی، ہاں اگر کوئی آدم زاد آئے تو کہہ دینا میں نے رب کی رضا کے لئے چپ کا روزہ رکھا ہے۔''

عربی میں بعض اوقات ''قائم'' کو ''صائم'' بھی کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اپنی جگہ پر ساکت ہوتا ہے۔نابغہ ذبیانی کا ایک شعر ''صوم'' کے اس لغوی معنی کو واضح کرتا ہے:

خَيۡلٌ صِيَامٌ وَّ خَيۡلٌ غَيۡرُ صَائِمَةٍ
تَحۡتَ الۡعَجَاجِ وَخَيۡلٌ تَعۡلُكُ اللُّجَمَا

غبار جنگ کے سایے تلے کچھ گھوڑے ثابت قدم (صائم) ہیں اور کچھ گھوڑے حرکت کرتے ہوئے (غیر صائمہ) اپنی لگاموں کو چبار ہے ہیں،

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ منتج ہوا کہ صوم کا لغوی معنی ہے ''کام سے رک جانا'' خواہ وہ کسی نوعیت کا ہو۔

اصطلاح شریعت میں صوم کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے:" الإمساك عن المفطرات مع النية،من طلوع الفجر إلى غروب الشمس"

یعنی طلوعِ فجر سے لیکر غروبِ آفتاب تک تمام

مفطرات سے اس طرح رک جانا کہ (مکمل روزے کی) نیت شاملِ حال رہے۔

(بحوالة .تيسير العلام شرح عمدة الأحكام،كتاب الصيام،صفحه نمبر: ٣١٢)

روزہ کب فرض ہوا؟

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو ہر نبی اور اس کی امت پر فرض کی گئی،کوئی امت روزہ کی فرضیت سے خالی نہیں رہی،اللہ تعالیٰ کا فرمان: كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرۃ:۱۸۳) اس کی دلیل ہے۔

امام مجاہد کا قول ہے:

كتب الله عزوجل صوم شهر رمضان على كل أمة یعنی اللہ تعالیٰ نے رمضان کا روزہ ہر امت پر فرض کیا تھا۔(تفسیر قرطبی:۱/۶۱۵)

اللہ تعالیٰ نے سابقہ تمام امتوں پر روزہ فرض قرار دینے کی خبر ہمیں اس لئے دی تاکہ ہماری نظروں میں اس کی اہمیت اور قدر ومنزلت مزید بڑھ جائے،مزید شوق ورغبت پیدا ہوجائے،نیز یہ کہ روزہ آسان لگنے لگے؛ کیونکہ کوئی بھی مشکل چیز جب عمومیت اختیار کرجائے تو وہ آسان ہوجاتی ہے(إذا عمت البلوى طابت)۔

ہمارے روزے کو سابقہ اقوام کے روزے سے تشبیہ دینا باعتبار اصلِ وجوب ہے،یعنی جس طرح سابقہ اقوام پر روزہ فرض تھا اسی طرح ہم پر بھی فرض ہے یہ تشبیہ باعتبار کیفیتِ صوم نہیں ہے؛ کیونکہ ہمارے اور سابقہ اقوام کے روزہ کی کیفیت میں فرق تھا،جیسا کہ ابن عاشور نے فرمایا: فَحَصَلَ فِى صِيَامِ الإسْلامِ ما يُخالِفُ صِيامَ اليَهُودِ والنَّصارى فى قُيُودِ ماهِيَّةِ الصِّيامِ وكَيْفِيَّتِها، ولَمْ يَكُنْ صِيامُنا مُماثِلًا لِصِيامِهِمْ تَمامَ المُماثَلَةِ ،اسلام کے روزے کی کیفیت یہود ونصاریٰ کے روزے سے بالکل الگ ہے ہمارے روزے ان کے روزے کے مماثل نہیں ہیں۔چنانچہ ان کا روزہ عشاء کی نماز سے شروع ہوکر غروبِ آفتاب تک جاتا،جبکہ ہمارا روزہ ابتداءِ فرضیت میں اسی طرح تھا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے آسانی پیدا فرماتے ہوئے طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک مقرر فرمادیا۔

سابقہ اقوام نے اپنے روزہ کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا،چنانچہ یہودیوں نے رمضان المبارک کی جگہ روزے کیلئے پورے سال کا صرف ایک دن مقرر کرلیا،جو ان کے زعم میں فرعون کے غرق ہونے کا دن تھا،جبکہ عیسائیوں نے جب یہ دیکھا کہ رمضان المبارک تو شدید گرمی کے موسم میں آتا ہے تو انہوں نے قمری مہینہ کی جگہ ایک ایسا شمسی مہینہ تجویز کرلیا جو ہمیشہ موسمِ بہار میں آئے۔

قولہ تعالیٰ: اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ:۳۱)

ترجمہ: ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے)اس آیت میں یہود ونصاریٰ کی اس قسم کی باطل روش کی تفنید وتردید ہے۔

اس لحاظ سے امت محمدیہ بے شمار آفرین اور شاباش کی مستحق ہے کہ جس نے سابقہ اقوام کی روش کے بالکل برعکس روزے کا حق ادا کردیا،اور کسی بھی مقام پر کسی بھی موسم کی شدت یا روزے کی طوالت ان کے آڑے نہ آسکی اور نہ ہی

کسی قسم کی رکاوٹ بن سکی (فللّٰه الحمد والمنة)۔

امت محمدیہ پر روزہ کب فرض ہوا؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت پر پیر کے دن ۲/شعبان ۲ ہجری میں روزہ فرض فرمایا، گویا رسول اللہ کی بعثت کے پندرھویں سال روزے کی فرضیت نازل ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ومبارکہ میں نو مرتبہ رمضان کا مہینہ آیا۔

روزے کی فرضیت میں اسقدر تاخیر کا سبب بیان کرتے ہوئے علامہ جمال الدین القاسمی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: وَلَمّا كانَ فَطْمُ النَّفْسِ عَنْ مَأْلُوفاتِها وشَهَواتِها مِن أشَقِّ الأُمُورِ وأصْعَبِها، تَأخَّرَ فَرْضُهُ إلى وسَطِ الإسْلامِ بَعْدَ الهِجْرَةِ: لَمّا تَوَطَّنَتِ النُّفُوسُ عَلى التَّوْحِيدِ والصَّلاةِ، وألِفَتْ أوامِرَ القُرْآنِ، فَنُقِلَتْ إلَيْهِ بِالتَّدْرِيجِ. وكانَ فَرْضُهُ السَّنَةَ الثّانِيَةَ مِنَ الهِجْرَةِ. فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وقَدْ صامَ تِسْعَةَ رَمَضاناتٍ.

(محاسن التاویل:۳/۴۱۶)

چونکہ کھانا پینا اور دیگر شہوات کا ترک لوگوں کیلئے انتہائی مشکل اور دشوار کن امر ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے (از راہِ شفقت ومحبت) روزے کی فرضیت کو ہجرت کے بعد تقریباً وسط اسلام تک موخر رکھا، چنانچہ لوگوں کے نفوس اور طبائع عقیدۂ توحید اور اقامتِ صلاۃ پر پختہ ہوگئے، اور وہ اوامرِ قرآن سے خوب مانوس ومألوف ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے روزہ کی فرضیت نازل فرمادی، اوراس میں بھی تدریج کا پہلو پسند فرمایا (تاکہ اس عظیم عبادت کی ادائیگی میں کسی سستی وکوتاہی کا مظاہرہ نہ ہونے پائے۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے: محاسن التأويل للقاسمي، التحرير والتنوير لابن عاشور، وروزہ حقیقت وثمرات صفحہ نمبر ۱۸ تا ۲۴)

محترم قارئین! روزہ ایک عظیم عبادت ہے رمضان المبارک کا روزہ تیسرا رکن ہے ارکان اسلام میں سے، روزہ افضل عبادات میں سے اسلئے ہے کہ روزہ میں صبر کی تینوں انواع واقسام (طاعت وبندگی پر صبر کرنا، معصیت کے کام میں مبتلا نہ ہونے پر صبر کرنا، اور قضاء وقدر پر صبر کرنا) جمع ہوجاتی ہیں۔

روزہ کی حکمتیں ومقاصد

علماء کرام نے روزہ کی بہت سی حکمتیں بیان فرمائی ہیں، لیکن سب سے بڑی حکمت اور سب سے ارفع واعلیٰ مقصد وہ ہے جس کا اللہ رب العزت نے اپنے مقدس کلام میں ذکر فرمایا ہے: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرة:۱۸۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر (صوم) فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

اس آیت میں روزہ کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ یہ تقویٰ کا باعث ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ روزہ دوسری تمام عبادات سے بوجوہ منفرد ہے کہ یہ رب اور بندے کے درمیان راز ونیاز کا معاملہ ہے جبکہ دوسری تمام عبادات مثلاً نماز، حج اور قربانی وغیرہ ظاہری عبادات ہیں جو ظاہری

حرکات وسکنات سے بے نیاز ہونے کے باعث ریا جیسی بیماری سے جو کہ بڑی بڑی عبادتوں پر پانی پھیر سکتی ہے۔ محفوظ و مامون ہے اس لئے کہ روزہ دار کے روزہ کی حقیقت (کہ وہ روزے سے ہے یا نہیں) رب تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر ایک آدمی وضو کرتے ہوئے تین دفعہ کلی کرتا ہے۔ اس وقت پانی اس کے منہ میں ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو اس پانی کا اکثر حصہ اپنے حلق میں اتار سکتا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کی اس حرکت کو نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن ایک چیز اسے پانی کا ایک قطرہ بھی شدید پیاس کے باوجود حلق میں پانی اتارنے سے باز رکھتی ہے اور یہ چیز رب کریم کا خوف ہے جس کا دوسرا نام تقویٰ وخشیت الٰہی ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اپنی خواہش پر اس نے غلبہ پالیا اور یہ تقویٰ (خواہشات پر کنٹرول) انسان کی ساری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے مثلاً اگر وہ دوکاندار ہے تو میزان میں کمی بیشی کا مرتکب نہ ہوگا اگر کپڑے کا تاجر ہے تو ماپ میں ہیرا پھیری کی خواہش کا گلا گھونٹ دے گا۔ اگر کسی میڈیکل ہال کا مالک ہے تو دواوں پر ناجائز منافع حاصل کر کے حصولِ زر کی خواہش کا احترام نہ کرے گا اور اگر ڈاکٹر ہے تو غلط انجکشن یا بے ضرورت دواوں کا اضافہ نہیں کرے گا۔ علیٰ ہذا القیاس روزہ انسان کے نفس کی اس طرح سے تربیت کرے گا کہ ہر لمحہ خوفِ خدا اس کو گناہوں سے باز رکھے گا اور رضائے الٰہی کا حصول اس کا مقصود ومطلوب ہوگا جو خداوند کریم سے اس کی قربت کا باعث ہوگا۔

محترم قارئین! جسدِ انسانیت سے مادیت کے طوفان ہر آن اُٹھتے رہتے ہیں اگر ان طوفانوں کے سامنے بند نہ باندھا جائے تو یہ خاکی بدن ہویٰ وہوس کا مظہر بن کر رہ جائے، خواہشاتِ نفسانی اس قدر سرکش اور غالب ہوجائیں کہ انسان ان پر کنٹرول نہ کر سکے۔ اور شہوات وشبہات کے دام فریب میں پھنس جائے، لہٰذا رب کریم نے ضبطِ نفس اور مادیت کے غلبے سے بچانے کے لئے روزے جیسے عظیم عبادت کا انعام اسے عطا فرمایا تا کہ اس کی روح اور جسم میں توازن برقرار رہے اور نفسِ انسانی مطیع وفرمانبردار ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یاد میں مگن رہے۔

شیخ أبوعبدالرحمان عبد اللہ البسام نے تیسیر العلام شرح عمدۃ الاحکام (صفحہ نمبر: ۳۱۲) کتاب الصیام میں انتہائی جامعیت کے ساتھ روزہ کی دینی، اجتماعی، اخلاقی اور صحتِ انسانی کے متعلق کچھ حکمتیں بیان فرمائی ہیں، انہی کے نفیس کلام کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے۔

روزہ کی بلندترین حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان عبادت ہے، چنانچہ روزہ شہوت کے بادشاہ کی مخالفت کر کے یا کہیے کہ غلبہ شہوت کا قلع قمع کرتے ہوئے مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ نفسِ انسانی جب خوب سیر ہو تو اسے مستی سوجھتی ہے کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى. اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى .

ترجمہ: سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہوجاتا ہے، اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بے پرواہ (یا تونگر) سمجھتا ہے۔ (العلق:۶-۷)

لیکن روزہ رکھ کر انسان جب بھوک اور پیاس کی شدت کی بناء پر اپنے عجز وضعف کو ملاحظہ کرتا ہے تو اسے

احساس ہوتا ہے کہ نفس کے کبر اور بڑائی کی تو کوئی حقیقت نہیں، نتیجۃً وہ اپنے رب کیلئے بھی مسکین ورقیق القلب ہوجائے گا، اور مخلوقات کیلئے بھی نرم دل۔

روزہ کی اجتماعی حکمت یہ ہے کہ پوری خلق ایک ہی وقت میں ایک عبادت پر مجتمع ہوتی ہے، چنانچہ خواہ کوئی طاقت ور ہو یا کمزور، شریف ہو یا وضیع، مالدار ہو یا فقیر سبھی کو ایک ساتھ ہی روزہ شروع کرنا ہے اور ایک ہی وقت میں افطار کرنا ہے، تمام کو یکساں بھوک اور پیاس کی تکلیف کو جھیلنا ہے، اور صبر کرنا ہے یہ چیز قلوب وارواح میں باہمی ربط، الفت اور محبت پیدا کرنے کا عظیم سبب بن جائے گی، لوگ ایک دوسرے کے ساتھ شفقت ورحمت کا برتاو کرینگے، بالخصوص مالدار کہ جنہیں بھوک اور پیاس برداشت کرکے معاشرہ کے غریب، تباہ حال اور پسے ہوئے اپنے بھائیوں کی بھوک اور پیاس کا احساس ہوگا وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہوگا کہ وہ بھوک اور پیاس جسے اس نے صرف ایک ماہ مشکل سے برداشت کیا، اس کا غریب بھائی اور اس کا پورا کنبہ پورا سال برداشت کرتا اور جھیلتا ہے، اس سے یقیناً اس کے دل میں سخاوت وفیاضی کا احساس ہوگا، دلوں کی تفریق، حسد وبغض، عداوت اور رنجش دور ہونگی، ان کی جگہ محبت اور بھائی چارہ کی فضاء استوار ہوگی، نتیجۃً تمام طبقاتِ انسانی میں وہ سلامتی رائج ہوجائے گی جو دینِ اسلام کو مطلوب ہے۔

روزہ کی اخلاقی وتربیتی حکمت یہ ہے کہ صبر وتحمل کا درس دیتا ہے، عزیمت وارادہ کو قوت واستحکام بخشتا ہے، مشاکل ومصائب کا حملہ ہو تو خندہ پیشانی سے جھیلنے بلکہ ان کا مقابلہ کرکے انہیں زیر کرنے کی ٹریننگ دیتا ہے۔

روزہ صحتِ انسانی کے تعلق سے بڑی پُرحکمت عبادت ہے، "فإن المعدة بيت الداء، والحمية رأس الدواء"، یعنی انسان کا معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز (خلوِ معدہ) تمام دواوں وعلاجوں کی سردار ہے، معدے کو آرام وراحت کا وقفہ چاہئے، کیونکہ ہمیشہ اور مسلسل کھانے پینے کی وجہ سے وہ بُری طرح تھکاوٹ کا شکار ہوجاتا ہے، لہذا اس طویل ترین مشقت کے بعد اسے اس کے آرام کا مکمل حصہ دستیاب ہونا چاہئے تاکہ وہ استراحت کے اس وقفہ میں جسم سے زائد فضلات اور فاسد مادوں کو نکال باہر کرے اور جہاز ہاضمی وغیرہ کو رواں دواں کرے۔

(دیکھئے تفصیل کیلئے۔تیسیر العلام شرح عمدۃ الأحکام ۳۱۲ تا ۳۱۳)

روزہ سے مقصود فاقہ کرنا نہیں

یا اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا نہیں ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ "روزہ کے حکم سے یہ مقصود نہیں ہے کہ انسان کا فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف ومشقت میں ڈالنا بلکہ تمام تر مقصود نفس انسانی کی اصلاح وتہذیب ہے، روزہ کے رکھنے سے تم میں پرہیزگاری کی قوت پیدا ہوگی اور نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کا سبق سیکھ لوگے۔ (بحوالہ ترجمان القرآن ۱/ ۳۰۸)

علامہ ابن القیم جوزیہ روزہ کی سریت ومقصدیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

للصوم تأثيرٌ عجيب فى حفظ الجوارح الظاهرة والقُوَى الباطنة، واستفراغ المواد

الرديئة المانعة لها من صحتها، فالصوم يحفظ على القلب والجوارح صحتها ويعيد إليها ما استلبته منها أيدى الشهوات، فهو من أكبر العون على التقوى.

(زادالمعادلابن القیم:۲/۳۵)

''روزہ جوارح ظاہری اور قوائے باطنی کی حفاظت میں بڑی حیرت ناک تأثیر رکھتا ہے فاسد مادہ کے جمع ہوجانے سے انسان میں جوخرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں ان سے وہ اسکی حفاظت کرتا ہے جو چیزیں مانع صحت ہیں ان کو خارج کر دیتا ہے اور اعضاء و جوارح میں جوخرابیاں ہوا وہوس کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں وہ اس سے دفع ہوتی ہیں۔ وہ صحت کیلئے مفید اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے میں مدومعاون ہے''۔

(بحوالۃ زادالمعادلابن القیم الجوزیۃ:۲/۳۵)

دکتور فضل الرحمان المدنی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''طبی اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے بھی روزہ کے بہت سے فوائد ہیں، اس سے مالداروں کوغریبوں کے فقر وفاقہ اور بھوک و پیاس کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور صدقہ وخیرات کی ترغیب ہوتی ہے پیٹ اور بلڈ پریشر وغیرہ کے مریضوں کے لیے بھی روزہ مفید ہے، سال بھر خوب شکم سیر ہوکر کھانے سے جو فاسد مادے پیٹ اور جسم کے دوسرے حصوں میں جمع ہوجاتے ہیں اس سے احتساب نفس اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کے عقیدہ ویقین کو بھی جلاء ملتی ہے۔ (بحوالہ نعمۃ المنان جلد سوم صفحہ نمبر ۱۴۹)

علامہ صالح الفوزان اپنی کتاب الملخص الفقهی میں روزہ کی کچھ مزید حکمتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یعنی روزہ کو مشروع قرار دینے کی حکمت تزکیہ نفس ہے، نیز اس سے ردی اخلاط اور رذیل اخلاق سے پاک کرنا بھی مقصود ہے، کیونکہ شیطان تو انسان کی رگوں میں گردش کرتا ہے اور روزے سے (کھانا نہ کھانے کی وجہ سے) رگوں میں تنگی پیدا ہوتی ہے جس سے گویا شیطان کا راستہ تنگ ہوجاتا ہے، جبکہ بسیار خوری رگوں کی کشادگی کا باعث ہے، جوشہوات کی وسعت، ارادے کے ضعف اور عبادت میں قلتِ رغبت پر منتج ہوتی ہے، روزہ سے انسان ان تمام منفی عوارض سے محفوظ رہتا ہے، بلکہ روزہ انسان کو زاہد بنادیتا ہے اور آخرت کی رغبت بڑھادیتا ہے۔ (الملخص الفقهی :۱/۳۷۴، منقول از کتاب روزہ حقیقت وثمرات صفحہ نمبر ۲۸)

روزے کے مادی اور روحانی فوائد:

معزز قارئین! اسلامی عبادات میں ظاہری اور باطنی ہر قسم کی طہارت، نفاست و پاکیزگی کا التزام ہر جگہ موجود ہے۔ نماز اگر آئینہ دل کو مجلّٰی اور مصفّٰی کرتی ہے تو وضو جسمانی طہارت اور پاکیزگی کے لئے نماز کی اوّلیں شرط قرار پایا۔ اسی طرح اگر عورت کو نقاب اوڑھنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی قید بھی لگائی: وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ، کہ اے رسول! مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

اور یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جس عورت کی نگاہ عصمت وعفت اور فطری حیا سے خالی ہے۔ اس کے لئے اگر لاکھ نقابوں کا اہتمام بھی کرلیا جائے تو وہ مقصد حاصل

نہیں ہوسکتا جس کے لئے ''یغضضن من أبصارهن'' کی ضرورت پیش آئی۔

روزہ بھی اس حکمت سے خالی نہیں۔روزہ سے جہاں انسان کی باطنی طہارت اور روحانی صحت کا التزام کیا گیا ہے وہاں اس کی جسمانی صحت اور نظامِ انہضام کی خرابیوں کا علاج بھی اس میں موجود ہے۔

پھر یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کثرت خوری اور وقت بے وقت کھانا معدے کے امراض کا موجب ہے۔ اس سے جسمانی نشوونما صحیح طریقے پر نہیں ہوتی بلکہ غیر متناسب غذا اور کھانے کے غیر متعین اوقات کی بدولت اکثر لوگ لبِ گور پہنچ جاتے ہیں۔سال بھر کی ان بے قاعدگیوں کو روکنے اور صحت اور تندرستی کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے یہ لازم تھا کہ انسانوں کو تیس روز تک پابند کیا جاتا کہ وہ متعینہ وقت پر کھائیں پیئیں اور مقررہ وقت کے بعد کھانے پینے سے ہاتھ کھینچ لیں۔ یہ کیسی حکمت ہے کہ عبادات کے ساتھ ساتھ انسان جسمانی صحت بھی حاصل کرتا ہے اور روح کی بالیدگیوں کے ساتھ ساتھ اس کی جسمانی صحت بتدریج کمال حاصل کرتی جاتی ہے۔تجربہ شاہد ہے کہ رمضان میں اکثر لوگوں کی جسمانی بیماریاں محض کھانے کے اوقات کی پابندی کی بنا پر خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے مفسرین اور ائمہ مجتہدین نے روزے کی دوسری حکمتوں کے ضمن میں حکمتِ صحتِ جسمانی کا ذکر بھی کیا ہے۔

بسیارخوری سے مادیت کا غلبہ بڑھتا ہے اور شہوانی جذبات حملہ آور ہوتے ہیں۔ روزے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ دن بھر بھوکے پیاسے رہنے سے جسمانی اعضاء میں کچھ کمزوری آجاتی ہے جس سے شہوانی جذبات کے حملے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔بھوک اور پیاس جنسی جذبات کی برانگیخت کو کچل دیتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''الصوم جنة'' کہ روزہ ڈھال ہے۔

اس سے مراد صرف یہی نہیں کہ یہ صرف دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے بلکہ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ روزہ جنسی ہیجان نیز مادی اور روحانی ہر قسم کی بیماریوں کے لئے ڈھال ہے اس طرح کہ بھوک پیاس اس کی جنسی خواہشات کو دبا کر اسے خداوند کریم کی طرف راغب کرتے ہیں۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے:

یا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحفظ للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء.

کہ اے نوجوانو! تم میں سے جسے نکاح کرنے کی توفیق ہو اسے چاہئے کہ ضرور نکاح کرے، کیونکہ نکاح شرم وحیا اور شرمگاہ کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ مفید ہے اور جس نوجوان کو نکاح کی استطاعت نہ ہو اسے لازم ہے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ جنسی ہیجان کا تدارک کرتا ہے۔

تین طرح کے روزہ دار:

علامہ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے روزے کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں:

(۱) عام لوگوں کا روزہ۔

(۲) خاص لوگوں کا روزہ۔

(۳)خاص الخاص لوگوں کا روزہ۔

عام لوگوں کا روزہ صرف پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات اورشہوات سے بچاو کا نام ہے،

خاص لوگوں کا روزہ پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات وشہوات سے بچاؤ کے ساتھ ساتھ،نگاہ،زبان ہاتھ پاوں، کان اور دیگر اعضاء کو ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رکھنے کا نام ہے۔

جبکہ خاص الخاص لوگوں کا روزہ یہ ہے کہ مذکورہ تمام امور کوملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے قلب کو بھی اس قدر محفوظ بنالیں کہ اس میں ایسے افکاروخیالات کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے یا دور کرنے کا سبب بن جائیں۔

اب ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو چیک کریں صرف دوسرے پر تبصرہ ہی نہ کریں کبھی کبھی اپنے آپ کا بھی حساب کتاب کیجئے کہ آپ ان مذکورہ بالاقسموں میں سے کس قسم میں آتے ہیں، (دیکھئے تفصیل کیلئے روزہ حقیقت وثمرات، رمضان المبارک مقاصد، نتائج، رمضان المبارک فضائل، فوائدوثمرات وغیرہ)

روزہ اور ہمارا طرزِعمل:

رمضان المبارک کا روزہ جن مقاصد حسنہ کی تحصیل کے لیےفرض کیا گیا تھا، ہمارے سلف صالحین نے روزہ کے آداب وواجبات، مستحبات کی رعایت کر کے ان مقاصد کو پورے طور پر حاصل کیا۔ وہ حضرات دن کو روزہ رکھتے تھے اور راتوں کو ذکر وفکراور نماز وتلاوت، قرآن کی تفسیر وتشریح کو سمجھنے میں مشغول رہتے تھےاور رمضان المبارک کے ایک لمحہ کو اللہ کی عبادت میں گذارتے تھے، وہ اپنی زبانوں کو بیہودہ گوئی سے بند رکھتے تھے اور کانوں کو لغو اور فحش باتوں کے سننے سے محفوظ رکھتے تھے، ان کی آنکھیں حرام چیزوں کی طرف قطعاً نہیں اٹھتی تھیں۔ اس طرح اُن کے تمام اعضاء روزہ سے رہتے تھے؛ لیکن آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اس مبارک مہینہ کو بھی دیگر مہینوں کی طرح ضائع کردیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اس لیے فرض کیا تھا کہ اس کے ذریعہ روح وقلب کو فائدہ پہنچے؛ ایمان میں تازگی آئے، محاسبہ کرنے کی عادت بنائے، مگر ہم نے روزہ کو پیٹ اور معدہ کو پُر کرنے کا مہینہ بنالیا۔ اللہ نے اُسے حلم وصبر کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا تھا؛ مگر ہم نے اُسے غیض وغضب اور غم وغصّہ کا مہینہ بنالیا، اللہ تعالیٰ نے اُسے سکینت ووقار کا مہینہ بنایا تھا؛ مگر ہم نے اُسے گالی گلوج اور لڑائی جھگڑے سر پھٹول کا مہینہ بنالیا، اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اس لیے فرض کیا تھا کہ ہماری عادتوں میں تبدیلی آئے؛ مگر ہم نے سوائے کھانوں کے اوقات میں تبدیلی پیدا کرنے کے کچھ نہیں کیا۔

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

رمضان کے ایام میں ہم سے ہونے والی چند مشہور غلطیاں:

۱-افطاروسحور، مأکولات ومشروبات کی خرید وفروخت میں حد درجہ مبالغہ آمیزی! جب بھی رمضان کی آمد آمد ہوتی ہے بہتیرے مسلمان اشیاء خورد ونوش، سحری، افطار کے سامان دسترخوان کو بھانت بھانت کے مأکولات ومشروبات، حلویات، کھٹے میٹھے لذت آمیز چیزوں سے سجانے کی فکر میں مشغول ہو جاتے ہیں، ہزاروں کی شوپنگ ہوتی ہے،

بلکہ اسراف وتبذیر کا واضح عملی نمونہ موسم رمضان میں نظر آتا ہے، آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ افطار وسحری کے لئے جتنے اہتمام سے مختلف کھانے پینے کی چیزیں زیب دسترخوان ہوتی ہیں اتنے میں تو فقراء وصعالیک کی ایک بڑی جماعت آسودہ ہوسکتی ہے،

۲- سحری تناول کرنے میں بعض لوگ افراط وتفریط کے شکار ہیں، یعنی آدھی رات کو ہی کچھ لوگ کھاپی کر سوجاتے ہیں اور کچھ لوگ آذان کے ختم ہونے تک کھاتے پیتے رہتے ہیں،

۳- افطاری کرنے میں تاخیر،

۴- آذان فجر کے دوران بھی کھاتے پیتے رہنا،

۵- افطار کے وقت دعاء نہ پڑھنا،

۶- افطار تناول کرنے میں مشغول رہنا اور آذان کا جواب نہ دینا،

۷- از راہ احتیاط طلوع فجر سے قبل ہی کھانا پینا چھوڑ دینا،

۸- نصف رات کو ہی سحری کھا کے سوجانا،

۹- بھول کر حالت روزہ میں کھانے پینے والے کو دیکھنے والے کا نہ ٹوکنا یہاں تک کہ پورا ختم کردے،

۱۰- عورتوں کو کھان پان پکانے اور مطبخ کے کام میں ہی مشغول رکھنا، یا درکھیں کہ رمضان کے اعمال وعبادات مثلاً: نماز، روزہ،صدقات وخیرات،تراویح،اذکار،تلاوت قرآن مجید، دعا ومناجات وغیرہ جیسے مردوں کے لیے ہیں اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہیں،ان اعمال کی ادائیگی پر جس طرح مردوں کو اجر وثواب ملتا ہے اسی طرح خواتین کو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے۔

۱۱- مرد وعورتوں کا صلاۃ مغرب کی ادائیگی میں تاخیر کرنا،

افطاری کے بعد سوجانا اور تراویح کی نماز نہ پڑھنا،

۱۲- صلاۃ فجر کی ادائیگی میں غفلت وکسلمندی سے کام لینا،

۱۳- رمضان کے ایام میں پورا دن سوتے رہنا،

۱۴- ماہ رمضان کو چھٹی کے ایام اور سیر وتفریح کے لمحات سمجھ کر گھومنے پھرنے اور موج مستی میں گزار دینا،

۱۵- رمضان کے روزے کو بوجھ سمجھنا اور طرح طرح کی باتیں بنانا، مثلاً اتنا لمبا دن، مختصر رات، گرمی اپنے شباب پر، تیس انتیس دن تک ـــــ وغیرہ وغیرہ،

۱۶- ماہ رمضان میں نوجوانوں کا موبائل انٹرنیٹ و شوسل میڈیا کا حد سے زیادہ استعمال کرنا کہ وقت نہیں گزر رہا ہے، یہاں تک کہ بعض نوجوانوں کا تراویح چھوڑ کر آئی پی ایل میچ دیکھنا، یا پب جی ولوڈو گیمس وغیرہ کھیلنا،

۱۷- شب قدر میں رات رات بھر وعظ کرنا، وسننا، یا رات نہ گزرے تو پارٹی و پکنک میں وقت ضائع کرنا،

۱۸- روزہ کی حالت میں بھی منشیات سگریٹ، کھینی، گُل وغیرہ کا استعمال کرنا،

محترم قارئین! روزہ ایک تربیتی مدرسہ ہے، روزہ تقویٰ کا سبق دیتا ہے، روزہ شہوات وشبہات کے فتنے سے بچنے کا راستہ بتاتا ہے، روزہ سکھاتا ہے کہ ماضی کی غلطیوں کو نہ دہرایا جائے، اور مستقبل حصول علم وعمل، دعوت وارشاد اور خدمت دین میں گزرے، روزہ کا پیغام ہے کہ رذیل

وخسیس حرکتوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا جائے۔

روزہ ایک مسلسل عبادت ہے اور روزہ دار سحری سے غروب آفتاب تک کا سارا وقت خدا کی عبادت میں بسر کرتا ہے۔ایک نماز پڑھ لینے کے بعد ممکن ہے۔آپ دوسری نماز تک یاد خدا سے غافل ہو جائیں۔کاروبارِ حیات میں غفلت انسان کو خدا سے دور رکھتا ہے لیکن جب اس کے دل میں یہ احساس جاگ اُٹھتا ہے کہ وہ خدا کی خوشنودی کی خاطر بھوک پیاس کو برداشت کرنے کی پابندی قبول کر چکا ہے تو وہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ اس کا کوئی بھی لمحہ یادِ الٰہی اور خیر وبھلائی سے غفلت میں بسر نہ ہو۔چہ خوب ؎

صرفِ عصیاں ہوا وہ لحظہ عمر
جو تری یاد میں بسر نہ ہوا

اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر وباطن کو پاکیزہ بنائے ،تقوی کی زندگی نصیب کرے ،علم وعمل کی حیات دے ،ماہ رمضان کے خیر وبرکات کو سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے آمین،

حرف آخر: علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''جی ہاں! یہ مہینہ ایک بار پھر آ گیا تا کہ ہمارے پاس احساس وشعور کی کوئی رمق باقی رہ گئی ہو تو ہم اپنی سال بھر کی بے حسی لاشعوری اور خودفریبی پر اشک ندامت کے قطرے بہائیں ،ہمارے پاس محاسبہ نفس کی صلاحیت کا کوئی ذرہ باقی رہ گیا ہو تو ہم اپنی کج روی غلط کاری اور شر نوازی کو توبہ وانابت سے دھلنے کی کوشش کریں۔ہمارے پاس خیر وشر کا کوئی امتیاز باقی رہ گیا ہو تو داعی خیر کی ندائے غیبی پر لبیک وسعدیک کہتے ہوئے پیش رفت کریں، ہمارے اندر انسانیت کا کوئی گوشہ باقی رہ گیا ہو تو دنیا پرستی اور باہمی زندگی کی دلدل سے نکل کر اخوت وہمدردی اور جود وسخا کا دروازہ کھولیں۔ہمارے اندر عبدیت کا کوئی حصہ باقی رہ گیا ہے تو عصیاں وطغیاں اور بغاوت وسرکشی کی راہ چھوڑ کر طاعت وعبادت کا جوا اپنے گلے میں ڈالیں۔اور ہمارے اندر اپنے انجام پر نظر ڈالنے کے لئے کچھ بھی بصیرت وپیش بینی باقی رہ گئی ہو تو آگ میں جلنے کے بجائے رحمت الٰہی اور فلاح آخرت کا دامن تھامنے کی کوشش کریں کہ اس ماہ مبارک کا پہلا عشرہ رحمت،دوسرا عشرہ مغفرت اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی کا مژدہ لے کر آیا ہے۔

یاد رکھئے! وقت کا یہ پیمانہ ہمارے فیصلہ کے انتظار میں رک نہیں سکتا یہ رواں دواں پیمانہ ہے اس کا ایک ایک لمحہ ہماری قسمت پر فیصلہ کی مہر لگاتا نہایت تیز رفتاری سے گزرتا جا رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری غفلت کے نتیجہ میں یہ فیصلہ ہماری ناکامی ونامرادی پر آخری مہر ثابت ہو، پس اٹھیئے اور زندگی کے بگڑے ہوئے نقشے کو بدل کر رکھ دیجئے۔

ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے
مسلماں سے حدیث سوز وساز زندگی کہہ دے

☆☆☆

صدقۃ الفطر کے احکام ومسائل قرآن وسنت کی روشنی میں

عبدالعلیم بن عبدالحفیظ سلفی

زکاۃ الفطر کی تعریف:

لغت میں زکاۃ سے مراد طہارۃ ہے اسی طرح نماء (بڑھوتری) اور برکت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور فطر روزہ توڑنے کو کہتے ہیں، زکاۃ الفطر کا دوسرا نام صدقۃ الفطر بھی ہے۔ نیز اسے عام زبان میں فطرانہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

اور شریعت میں زکاۃ الفطر سے مراد وہ مال ہے جسے مسلمان رمضان کے بعد روزہ توڑنے کی وجہ سے ادا کرتا ہے۔

صدقۃ الفطر کا حکم:

صدقۃ الفطر ہر چھوٹے، بڑے مسلمان مرد وعورت پر واجب ہے،اس سلسلے میں مختلف روایتیں ہیں:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطر من رمضان على كل نفس من المسلمين ... حرٍّ أو عبدٍ، أو رجلٍ، أو امرأةٍ، صغيرٍ، أو كبيرٍ". اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی وجہ سے زکاۃ الفطر ہر مسلمان نفس پر۔ آزاد ہو یا غلام مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا فرض کیا ہے "۔(صحیح بخاری/ 1507 ، صحیح مسلم/ 984)۔

صدقۃ الفطر کی حکمت: صدقہ فطر کی چند حکمتیں نیچے ہیں:

۱- حالت روزہ میں سرزد ہونے والی بعض لغو اور بیہودہ قسم کی باتیں اور غلطیوں سے پاکی۔

۲- مساکین وفقراء کی مدد، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے:"فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث، وطعمة للمساكين". رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر روزہ دار کو لغو اور بیہودہ باتوں سے پاک کرنے کے لیے اور مسکینوں کے کھانے کے لیے فرض کیا ہے۔ (ابوداود/ 1609، وابن ماجۃ/ 1827، والدارقطنی/ 2/138 ، والحاکم/ 1/568، شیخ البانی نے حسن قرار دیا ہے)۔

۳- وقت متعین پر مستحقین تک صدقہ پہونچا کر اجر وثواب کا حصول۔

۴- اللہ کا شکر کہ اس نے بحسن وخوبی روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

صدقۃ الفطر کا وقت:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم-: أمر بزكاة الفطر أن تؤدَّى قبل خروج الناس إلى

الصلاۃ. اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ صدقۂ فطر لوگوں کے عیدگاہ نکلنے سے قبل ادا کیا جائے۔(صحیح بخاری/1503،صحیح مسلم/986)۔

اس روایت میں صراحت ہے کہ صدقۃ الفطر عیدگاہ کے لئے نکلنے سے قبل ادا کرنا ضروری ہے، اگر کسی نے نماز سے قبل نکالا تو وہ مقبول ہے ورنہ وہ عام صدقہ ہوگا، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:"فَرَضَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - زَكَاةَ الفِطرِ طُهرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعمَةً لِلمَسَاكِينِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقبُولَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ". رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر روزہ دار کو لغو اور بیہودہ باتوں سے پاک کرنے کے لیے اور مسکینوں کے کھانے کے لیے فرض کیا ہے، لہٰذا جو اسے عید کی نماز سے پہلے ادا کرے گا تو یہ مقبول صدقہ ہوگا اور جو اسے نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہوگا۔(ابوداود/1609، وابن ماجۃ/1827، والدارقطنی/2/138، والحاکم/1/568، شیخ البانی نے حسن قرار دیا ہے)۔

عید سے ایک دو دن پہلے بھی ادا کرنا جائز ہے، جیسا کہ امام بخاری نے نافع سے روایت کیا ہے کہ:"كان ابن عمر يُعطي عن الصغير والكبير، حتى وإن كان يعطي عن بَنِيَّ، وكان يُعطيها الذين يقبلونها، وكانوا يعطون قبل الفطر بيوم أو يومين". عبداللہ بن عمر (صدقہ فطر) چھوٹے بڑے سب کی طرف سے دیتے تھے، یہاں تک کے میرے بچوں کی طرف سے بھی دیتے، اوران لوگوں کو دیتے تھے جو اسے قبول کرتے، اورلوگ ایک یا دو دن پہلے نکالتے۔(صحیح بخاری/1440)۔

کم ازکم عیدالفطر سے تین روز قبل صدقۃ الفطر نکالنے کی دلیل:

کچھ لوگوں میں تشدد کی بنا پر یہ عام ہے کہ وہ صدقہ فطر کو عید سے چندروز قبل نکالنے کو ناجائز تصور کرتے ہیں جبکہ اس کا ثبوت ملتا ہے کہ عید سے تین روز قبل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بیت المال میں فطرانہ کے مال موجود تھے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ علہ کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان کی زکوٰۃ کی حفاظت پر مقرر فرمایا۔(رات میں)ایک شخص اچانک میرے پاس آیا اور غلہ میں سے لپ بھر بھر کر اٹھانے لگا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ قسم اللہ کی!میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلوں گا۔اس پر اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں بہت محتاج ہوں۔ میرے بال بچے ہیں اور میں سخت ضرورت مند ہوں۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا(اس کے اظہار معذرت پر) میں نے اسے چھوڑ دیا۔صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا:"اے ابو ہریرہ! گذشتہ رات تمہارے قیدی نے کیا کیا تھا؟" میں نے کہا: یارسول اللہ! اس نے سخت ضرورت اور بال بچوں کا رونا رویا، اس لیے مجھے اس پر رحم آ گیا۔اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:"وہ تم سے جھوٹ بول کر گیا ہے۔اور وہ پھر آئے گا"۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

فرمان کی وجہ سے مجھ کو یقین تھا کہ وہ دوبارہ ضرور آئے گا۔ اس لیے میں اس کی تاک میں لگا رہا۔ اور جب وہ دوسری رات آ کر پھر غلہ اٹھانے لگا تو میں نے اسے پھر پکڑا اور کہا کہ: تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کروں گا، لیکن اب بھی اس کی وہی التجا تھی کہ مجھے چھوڑ دے، میں محتاج ہوں۔ بال بچوں کا بوجھ میرے سر پر ہے۔ اب میں کبھی نہیں آؤں گا۔ مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے پھر چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوہریرہ! تمہارے قیدی نے کیا کیا؟" میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے پھر اسی سخت ضرورت اور بال بچوں کا رونا رویا۔ جس پر مجھے رحم آ گیا۔ اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ بھی یہی فرمایا کہ: "وہ تم سے جھوٹ بول کر گیا ہے اور وہ پھر آئے گا"۔ تیسری مرتبہ میں پھر اس کے انتظار میں تھا کہ اس نے پھر تیسری رات آ کر غلہ اٹھانا شروع کیا، تو میں نے اسے پکڑ لیا، اور کہا کہ: تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچانا اب ضروری ہو گیا ہے۔ یہ تیسرا موقع ہے۔ ہر مرتبہ تم یقین دلاتے رہے کہ پھر نہیں آؤ گے۔ لیکن تم باز نہیں آئے۔ اس نے کہا کہ: اس مرتبہ مجھے چھوڑ دے تو میں تمہیں چند ایسے کلمات سکھا دوں گا جس سے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ پہنچائے گا۔ میں نے پوچھا: وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا: جب تم اپنے بستر پر لیٹنے لگو تو آیت الکرسی (اللّٰہ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُو الحيُّ القَيُّومُ) (البقرۃ:255) پوری پڑھ لیا کرو۔ ایک نگراں فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر تمہاری حفاظت کرتا رہے گا۔ اور صبح تک شیطان تمہارے پاس کبھی نہیں آ سکے گا۔ اس مرتبہ بھی پھر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "گذشتہ رات تمہارے قیدی نے تم سے کیا معاملہ کیا؟" میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے مجھے چند کلمات سکھائے اور یقین دلایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے فائدہ پہنچائے گا۔ اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے دریافت کیا کہ: "وہ کلمات کیا ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ: اس نے بتایا تھا کہ جب بستر پر لیٹو تو آیت الکرسی: (اللّٰہ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُو الحيُّ القَيُّومُ) شروع سے آخر تک پڑھ لو۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر (اس کے پڑھنے سے) ایک نگراں فرشتہ مقرر رہے گا۔ اور صبح تک شیطان تمہارے قریب بھی نہیں آ سکے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی یہ بات سن کر) فرمایا کہ: "اگرچہ وہ جھوٹا تھا۔ لیکن تم سے یہ بات سچ کہہ گیا ہے۔ اے ابوہریرہ! تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ تین راتوں سے تمہارا معاملہ کس سے تھا؟" انہوں نے کہا نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ شیطان تھا"۔ (صحیح البخاری ر2311)۔

اس روایت کے مطابق ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کم از کم عید کے دن سے تین روز قبل سے زکاۃ الفطر کے مال کی نگرانی کر رہے تھے، اور شیطان لگاتار تین دنوں تک آتا رہا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ علی الاقل عید سے تین روز قبل ہی لوگ صدقۃ الفطر نکال چکے تھے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

اگر کوئی عید سے قبل نہ نکال سکے:

صدقۃ الفطر نکالنے کا آخری وقت بنص صریح لوگوں کے عیدگاہ کیلئے نکلنے سے قبل ہے، اب اگر کوئی آدمی جان

بوجھ کر یا تساہلی کی وجہ سے وقت مقررہ تک نہ نکال کر بعد نماز عید ادا کرتا ہے تو اس سے وجوب کی قضاء تو ہوجائیگی لیکن چونکہ وہ ایک واجب کے ترک کا گنہ گار ہوا اس لئے اس پر توبہ لازم ہوگا۔البتہ تاخیر کسی شرعی عذر کی بنیاد پر ہے، جیسے نسیان وغیرہ تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، اور جب عذر زائل ہوجائے تو اسے ادا کردے۔(ابن باز رحمہ اللہ)۔

صدقۃ الفطر کی مقدار:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو کی زکوٰۃ فطر دینے کا حکم فرمایا تھا۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ پھر لوگوں نے اسی کے برابر دو مد(آدھا صاع) گیہوں کرلیا تھا"۔(صحیح بخاری/1507،1511و صحیح مسلم/984)۔

صدقۃ الفطر کے اصناف:

عام طور پر جو غلہ جات بطور خوراک جس علاقے میں مستعمل ہوں ان کو نکالنا جائز ہے، کیونکہ حدیث میں غلہ جات کے نام کے ساتھ ساتھ " طَعَام " کا لفظ وارد ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: "أنّ رَسُولَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - فَرَضَ زَكَاةَ الفِطرِ صَاعًا مِن تَمرٍ، أوْ صَاعًا مِن شَعِيرٍ، عَلَى كُلِّ حُرٍّ، أو عَبدٍ ذَكَرٍ أو أُنثَى مِنَ المُسلِمِينَ". رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطر کی زکوٰۃ (صدقہ فطر) ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو فرض قرار دی تھی۔غلام آزاد مرد عورت چھوٹے اور بڑے تمام مسلمانوں پر۔(صحیح بخاری/1504،صحیح مسلم/984)۔

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:"كُنّا نُخرِجُ فِي عَهدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَومَ الفِطرِ صَاعًا مِن طَعَامٍ. وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: وَكَانَ طَعَامُنَا الشَّعِيرُ وَالزَّبِيبُ وَالأَقِطُ وَالتَّمرُ"۔ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں عید الفطر کے دن کھانے کے غلہ سے ایک صاع نکالتے تھے۔ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمارا کھانا ان دنوں جو، کشمش، پنیر اور کھجور تھا۔(صحیح البخاری/1510)۔

کیلوگرام میں وزن:

چونکہ صاع غلہ جات کا ناپنے کا آلہ تھا اور بدلتے وقت کے ساتھ ناپنے کے آلہ جات وزن کے آلہ جات میں تبدیل ہوچکے ہیں، اس لئے موجودہ دور میں ایک صاع کا وزن کتنا ہوگا علماء نے اس سلسلے میں مختلف باتیں لکھی ہیں، کسی نے 2: 36 (دوکیلو چھتیس گرام) کسی نے 2: 26 (دوکیلو چھبیس گرام)، کسی نے تین کیلو اور کسی نے کچھ اور لکھا ہے۔

یہ سارے اوزان اندازے کی بنیاد پر بیان کئے گئے ہیں کیونکہ غلہ کی نوعیت کی بنیاد پر وزن بھی مختلف ہوتا رہتا ہے جیسے چاول، گیہوں، جو، مکا، کھجور اور کشمش وغیرہ ناپ میں برابر ہونے کے باوجود وزن میں مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ ایک عام رائے درمیان کی ہے اور وہ ہے تقریباً ڈھائی کیلو وزن کا غلہ نکالا جائے۔ان شاءاللہ اس سے واجب کی ادائیگی ہوجائیگی۔

صدقہ فطر میں نقد کی ادائیگی:

اس سلسلے میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول: صدقہ فطر میں قیمت نکالنا جائز نہیں ہے: یہ مالکیہ کا قول ہے، اوراسی کے قائل شوافع اور حنابلہ ہیں۔ (دیکھئے:الکافی فی فقه أهل المدينة لابن عَبدِ البَرّ :1/323،التاج والإكليل للمواق:2/366، المجموع للنووی :6/144،مغنی المحتاج للشربینی :1/407،کشاف القناع للبهوتی : 2/254، نیز دیکھئے:المغنی لابن قدامة :3/87)۔اسی قول کو ابن حزم نے بھی اختیار کیا ہے۔(المحلی: 4/259)۔عصر حاضر میں علامہ ابن باز اور بہت سارے دیگر علماء کا بھی یہی فتوی ہے۔

دلائل:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:"كُنَّا نُخرِجُها على عَهدِ رَسولِ الله صلَّى الله عليه وسلَّم صاعًا مِن طعامٍ، وكان طعامُنا التَّمرَ والشَّعيرَ، والزَّبيبَ والأقِطَ". ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیدالفطر کے دن کھانے کے غلہ سے ایک صاع نکالتے تھے۔ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمارا کھانا ان دنوں جو، کشمش، پنیر اور کھجور تھا۔(صحیح بخاری/1510،صحیح مسلم/985)۔

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے : "فَرَضَ رسولُ اللهِ صلَّى الله عليه وسلَّم زكاةَ الفِطرِ؛ طُهرةً للصَّائِمِ مِنَ اللَّغوِ والرَّفَثِ، وطُعمةً للمساكينِ". رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر صائم کو لغو اور بیہودہ باتوں سے پاک کرنے کے لیے اور مسکینوں کے کھانے کے لیے فرض کیا ہے۔ (ابوداود/ 1609، وابن ماجۃ/ 1827، والدارقطنی/ 2/138، والحاکم/ 1/568، شیخ البانی نے حسن قرار دیا ہے)۔

تعیین پر دلالت کی وجہ:

یہ حضرات ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

۱- ان روایات میں کھانوں کا ذکر ہے،لہذا ان کی قیمت نکالنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت ہوگی۔

۲- صدقہ فطر ایک فرض عبادت ہے جو متعین جنس سے ہی ہے اس لئے غیر متعین جنس سے نکالنا جائز نہیں ہے۔ٹھیک اسی طرح جیسے اسے ایک متعین وقت پر نکالنا واجب ہے، اس لئے اگر کوئی متعین وقت کے علاوہ نکالتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔

۳- اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اجناس میں سے ایک متعین مقدار کا حکم دیا ہے، اور وہ ہے ایک صاع، اگر کوئی ان کی قیمت نکالتا ہے تو ہر جنس کی قیمت الگ الگ ہونے کی وجہ سے کسی جنس کی قیمت دوسرے جنس کی قیمت سے مختلف ہو جائیگی، لہٰذا اگر قیمت کا اعتبار ہوتا تو جنس کی مقدار میں اختلاف معتبر ہوتا۔

اس کے علاوہ بھی بہت ساری وجہیں ذکر کی گئیں ہیں۔(دیکھئے: مجموع فتاوی ورسائل العثیمین: 18/284، المغنی لابن قدامۃ: 3/88، مجموع فتاوی ورسائل العثیمین: 20/394)۔

دوسرا قول: صدقہ فطر میں قیمت نکالنا مطلقا جائز ہے، یہ قول امام ابوحنیفہ، بعض ائمہ سلف جیسے سفیان ثوری، عمر بن

عبدالعزیز، حسن بصری، اسحاق بن راھویہ اور ابوثور وغیرہ کا ہے۔صحیح کے اندر امام بخاری کا بھی موقف یہی ہے، ابن رشد کہتے ہیں: "وافق البخاري في هذه المسألة الحنفية مع كثرة مخالفته لهم لكن قاده إلى ذلك الدليل" (فتح الباری 5/57)۔"امام بخاری نے حنفیہ سے بہت زیادہ اختلاف کے باوجود اس مسئلہ میں ان کی موافقت کی ہے، اس کی وجہ ان کی دلیل کی رہنمائی ہے۔ائمہ تابعین میں سے ایک ابواسحاق سبیعی کہتے ہیں: "أدركتهم وهم يؤدون في صدقة رمضان الدراهم بقيمة الطعام"۔ (مصنف ابن أبي شيبۃ/ 10467: 3/65)۔ میں نے لوگوں کو رمضان کے صدقے میں کھانے کی قیمت ادا کرتے ہوئے پایا۔نیز عہد حاضر کے بڑے علماء میں سے شیخ عبداللہ المطلق (عضویۃ کبار العلماء، والمستشار بالديوان الملكي)، شیخ عبدالوہاب أبوسلیمان (عضویۃ کبار العلماء)، اور شیخ قیس المبارک، (سابق عضویۃ کبار العلماء) نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔

دلائل:

اس سلسلے میں یہ مختلف دلائل پیش کرتے ہیں:

۱- اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے قیمت کی حرمت کے سلسلے میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

۲- نصوص میں وارد متعین اجناس کے ذکر کے باوجود دوسری جنسوں کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، خاص طور سے جب صحابہ کرام سے ان اجناس میں سے صدقہ فطر ثابت ہے جن کا ذکر ان احادیث میں نہیں ہے۔

۳- مختلف صحابہ کرام عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں ایک صاع کھجور کے بدلے نصف صاع شامی گندم نکالنے کے قائل تھے، اس سلسلے میں انہوں نے دونوں کی قیمت کا اعتبار کیا تھا۔(دیکھئے: فتح الباری 5/144)۔

۴- صدقہ فطر کا مقصد فقراء کی مدد اور ان کو اس دن مانگنے سے بے نیاز کرنا اور ان کو بھی اس خوشی میں شریک کرنا ہے، لہٰذا علاقہ اور ملک کے اعتبار سے نقد یا غلہ جو بھی ان کے لئے مناسب اور نفع بخش ہو نکالنا جائز ہے۔بہت سارے فقراء کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ غلہ لے کر بعد میں نہایت ہی کم دام میں بیچ دیتے ہیں، ایسی صورت میں نہ وہ غلہ سے فائدہ اٹھا پاتے ہیں اور نہ ہی انہیں غلہ کے مطابق پیسہ ہی ملتا ہے۔چنانچہ اگر ان کو غلہ کے بدلے نقد دی جائے تو یہ ان کے لئے زیادہ نفع بخش اور فائدہ مند ہے۔

تیسرا قول: شیخ الاسلام ابن تیمیہ صدقہ فطر میں حاجت ومقصد کے پیش نظر نقدی کے جواز کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں: "وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعاً مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعاً مِنْ شَعِيرٍ؛ لِأَنّ هَذَا كَانَ قُوتَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وَلَوْ كَانَ هَذَا لَيْسَ قُوتَهُمْ بَلْ يَقْتَاتُونَ غَيْرَهُ لَمْ يُكَلِّفْهُمْ أَنْ يُخْرِجُوا مِمَّا لَا يَقْتَاتُونَهُ، كَمَا لَمْ يَأْمُرِ اللَّهُ بِذَلِكَ فِي الْكَفَّارَاتِ وصدقة الفطر من جنس الكفارات"۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ الفطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو فرض کیا ہے، کیونکہ یہ اہل مدینہ کا کھانا تھا، اگر یہ ان کا کھانا نہ ہوتا، بلکہ اس کے علاوہ ہوتا تو آپ ان کو ایسی چیز کو نکالنے کا مکلّف نہیں کرتے جو

ان کا کھانا نہ ہوتا، جیسا کہ اللہ تعالی نے کفارات میں اس کا حکم نہیں دیا ہے، اور صدقہ فطر کفارات کی جنس سے ہے۔(مجموع الفتاوی 25/68)۔ اورامام نووی نے المجموع 6/112)) کے اندر لکھا ہے کہ اسحاق اور ابوثور کہتے ہیں: "لاتجوز إلا عند الضرورة" نقدی صرف ضرورت کے وقت ہی جائز ہے۔

ناگفتہ بہ حالات میں غلہ یا نقدی: بسا اوقات آدمی ایسے حالات سے گزرتا ہے کہ جن میں صدقۃ الفطر کا نکالنا مشکل ہوجاتا ہے جیسے ماضی قریب میں کورونا کی وجہ سے پوری دنیا کو لاک ڈاؤن کا سامنا کرنا پڑا تھا اسی طرح ملکی حالات کی وجہ سے بعض مقامات پر حالات نامناسب ہوجاتے ہیں اور کئی دنوں تک گھر سے نکلنا مشکل ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں کہیں تو فقراء ومساکین کی ایک بہت بڑی تعداد ملے گی، جو کھانے کی چیزوں کے سخت محتاج ہوتے ہیں۔ اور کہیں اونچی سوسائیٹیوں میں یا پردیس میں ڈھونڈھنے سے بھی ایسے لوگ نہیں ملیں گے، کیونکہ ہر جگہ نقل وحرکت بند ہوتی ہے، یا بسا اوقات نقل وحرکت میں بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایسی صورت میں جہاں مساکین ہیں روایتوں میں موجود شرائط کے مطابق غلہ کی صورت میں صدقۃ الفطر نکالنا کوئی مشکل نہیں ہے، بلکہ ایسی حالت میں غلے کا نکالنا متعین ہوجاتا ہے، چنانچہ ایسی صورت میں تکلفات اختیار کرتے ہوئے یا دوسری جگہ بھیجنے کے لئے غلہ کے بدلے جس کی اس علاقہ کو اشد ضرورت ہے نقدی نکالنا سنت سے اعراض کے ضمن میں آئیگا۔

لیکن دوسری صورت میں لامحالہ کہنا پڑیگا کہ نقدی کی صورت میں ہی نکالنا نہ یہ کہ زیادہ مناسب ہے بلکہ بسا اوقات اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے، خاص طور سے جب کہ نقدی کے جواز سے متعلق کبار تابعین اور فقہاء اور عہد قدیم وجدید کے بڑے علماء کے اقوال موجود ہیں۔

یہاں اس کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں:

اول: جیسے کسی کو جو ایسے علاقے میں موجود ہو جہاں فقراء ومساکین ہوں (اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان حالات میں انہیں کھانے پینے کی چیزوں کی سخت ضرورت اور محتاجی ہے) پیسہ ٹرانسفر کر کے اسے مکلّف کردے کہ غلہ خرید کر ان میں تقسیم کردے۔

دوم: اگر ایسی صورت نہیں بنتی کہ غلہ خرید کر ان میں تقسیم کرنا ممکن ہو، اور کچھ فقراء ان کے صدقے کا انتظار کررہے ہوں تو ایسی صورت میں ان کے بینک اکاونٹ میں پیسہ ٹرانسفر کردیا جائے یا کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے کہ ان تک وہ پیسہ وقت پر پہنچ جائے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ علاقہ میں یا پڑوس میں لوگوں کو غلہ جات کی ضرورت ہونے کے باوجود بعض لوگ یا تو تساہلی کی بنیاد پر یا کوئی اور حیلہ بنا کر یا کسی غریب کے پاس جانے میں کسر شان سمجھتے ہوئے نقدی نکالتے ہیں، ایسی صورت میں ایسے لوگوں کو اللہ کا خوف کرنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ حق اصل حقدار تک پہنچ جائے۔

بسا اوقات کئی جگہوں پر یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ کسی مناسب انتظام کے فقدان اور کم علمی کی بنیاد پر لوگ صدقۃ الفطر کے نکالنے میں تساہل سے کام لیتے ہیں، جس کی وجہ سے بسا اوقات لوگ عیدگاہ میں پہنچ کر کمیٹی یا امام وخطیب

کے اعلان کے بعد ادا کرتے ہیں، اور وہ بھی نقدی کی صورت میں، ایسی صورت میں ایک تو حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے جس میں لوگوں کے عیدگاہ کیلئے نکلنے سے قبل نکالنے کا حکم دیا گیا ہے، دوسرے صدقۃ الفطر کا جو بنیادی مقصد فقراء ومساکین کو بے نیاز کرنا ہے، وہ پورا نہیں ہو پاتا۔

صدقۃ الفطر کن لوگوں پر واجب ہے؟

صدقۃ الفطر ہر صاحب استطاعت مسلمان پر واجب ہے جو اسے ادا کرنے کی قوت رکھتا ہو، علماء نے لکھا ہے کہ جو اپنی ایک دن اور ایک رات کے خرچے سے زائد کا مالک ہو اس کے اوپر صدقۃ الفطر واجب ہے۔(الروضۃ الندیۃ للعلامۃ صدیق حسن خان:1/519)۔

صدقۃ الفطر کن کی طرف سے واجب ہے:

ہر مسلمان پر اپنی طرف سے اور ہر اس فرد کی طرف سے جس کا نان ونفقہ اس پر واجب ہے ادا کرنا واجب ہے۔ جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہے اس کی طرف سے صدقہ فطر نہیں ہے، البتہ اگر کوئی استحبابا نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے، جیسا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہے۔(دیکھئے: المغنی لابن قدامہ: 4/316، فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء:/3669)۔

صدقۃ الفطر کا وجوب رمضان سے متعلق ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:"فَـــرَضَ زَكَاةَ الفِطرِ مِن رَمَضَانَ"۔ لہٰذا اگر کوئی بچہ مغرب کے بعد پیدا ہوتا ہے تو اس پر صدقہ واجب نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی مغرب بعد مسلمان ہوتا ہے تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔اسی طرح اگر بعد المغرب شادی کرتا ہے تو اس کے اوپر اس کی بیوی کا فطرانہ واجب نہیں ہے۔ اس کی مکلّف خود بیوی ہے۔

صدقۃ الفطر کی تقسیم کا طریقہ:

آدمی خود سے فقراء ومساکین تک پہونچائے یا کسی قابل بھروسہ فرد کو وکیل بنائے۔

اگر کہیں کمیٹیاں ہوں جو لوگوں کے صدقات کو محتاجین تک پہونچانے کی ذمہ داری نبھاتی ہوں تو وہاں جمع کرنا بھی جائز ہے۔

لیکن خیال رہے کہ ایسی کمیٹیاں اپنی ذمہ داری کو مکمل اور صحیح طریقے سے ادا کرتی ہوں۔

صدقۃ الفطر کہاں نکالے؟

بہتر ہے کہ آدمی جہاں ہے وہیں نکال کر وہاں کے محتاجین پر تقسیم کر دے، لیکن اگر کسی وجہ سے وہاں نہ نکال سکتا ہو جیسے وہاں کوئی محتاج اور مسکین نہ مل سکے یا کہیں ایسے ملک میں موجود ہے جہاں نکالنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں کسی دوسری جگہ کسی کو وکیل بنا کر وہاں ادا کر دے۔

نوٹ: یہاں یہ خیال رہے کہ جہاں کہیں بھی کسی کو مکلّف کرے تو یہ ضرور تاکید کر دے کہ جہاں وہ ہے اس کے عید کے لئے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔

صدقۃ الفطر کے مستحقین:

صحیح قول کے مطابق صدقۃ الفطر کے مستحقین صرف فقراء ومساکین ہیں۔

(بقیہ: صفحہ ۴۷ پر)

☆☆☆

رزق میں وسعت وکشادگی کے اسباب

مجاہدالاسلام منصور عالم

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح وجاندار کی روزی مقرر کر رکھی ہے کہ اس کو اس کے حصے کی چیزیں مل کر رہیں گی اور اللہ روزی کا کفیل اور ذمے دار ہے۔ زمین پر چلنے والی ہر مخلوق، انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی، بحری ہو یا بری۔ ہر ایک کو اس کی ضروریات کے مطابق وہ خوراک مہیا کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا اعلان ہے(وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَٰبٍ مُّبِينٍ) (سُورَةُ هُودٍ:٦)

زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے۔

اسی طرح کوئی ذی روح نہیں مرتا جب تک وہ اپنا حق وحصہ کھا نہ لے یا نہ لے لے، تو آیئے رزق میں کشادگی و وسعت کے اسباب وعوامل کو جانتے ہیں:

۱- تقویٰ و پرہیزگاری:

ارشاد ربانی ہے: وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ (الطلاق: ۲،۳)۔

اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔

۲- توکل، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ: وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق:۳)۔

اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا ۔ (قال الشيخ الألباني: صحيح، ابن ماجة 4164)، صحیح وضعیف سنن الترمذی الألبانی: حدیث نمبر 2344

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگ اللہ پر توکل (بھروسہ) کرو جیسا کہ اس پر توکل (بھروسہ) کرنے کا حق ہے تو تمہیں اسی طرح رزق ملے گا جیسا کہ پرندوں کو ملتا ہے کہ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو آسودہ واپس آتے ہیں۔

وضاحت: معلوم ہوا کہ مومن کی زندگی رزق ومعیشت کی فکر سے خالی ہونی چاہیئے، اور اس کا دل پرندوں

کی طرح ہونا چاہیئے جو اپنے لیے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے بلکہ ہر روز صبح تلاش رزق میں نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

۳- نماز کی پابندی:

(وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـئَلُكَ رِزْقًا نَّحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى) (سُورَۃُ طٰہٰ:۱۳۲)

اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جما رہ ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر میں بول بالا پرہیزگاری ہی کا ہے۔

۴- توبہ واستغفار، اللہ جل جلالہ سے اپنے گناہ کی معافی چاہنا:

(فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا. يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا. وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّٰتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَٰرًا.) (سُورَۃُ نُوحٍ:۱۰-۱۲)

اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا، اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں نکال دے گا۔

۵- اللہ کے راستے میں خرچ کرنا:

(وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّٰزِقِينَ)

تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کا (پورا پورا) بدلہ دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

قَالَ اللَّهُ تَبارَكَ وتَعالَى: يا ابْنَ آدَمَ أنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ ،أخرجه البخاري،4684

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندو! (میری راہ میں) خرچ کرو تو میں بھی تم پر خرچ کروں گا۔

۶- بقدر استطاعت خرچ:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران علیہا السلام سے فرمایا ہے کہ کھجور کے تنے کو اپنی طرف کھینچو، اور اتنے ہی کی قصد کرو جتنی تمہیں ضرورت ہے۔

(وَهُزِّيٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ) (سُورَۃُ مَرْيَمَ:۲۵)

اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا۔

لہٰذا جو بندہ بھی ان تمام اسباب وعوامل کو اکٹھا کر کے عمل پیرا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا کہ اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوا ہوگا۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وہ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے انگنت مال و دولت، اولاد و جائداد سے سرفراز کرتا ہے فرمان الٰہی ہے(إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ) (سُورَۃُ آلِ عِمْرَانَ:۳۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کے لیے رزق مقرر کر رکھا ہے، اس کو حاصل کرنے کے لیے وہ ہاتھ پیر چلائیں، ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں اور اس پر بھروسہ رکھیں۔☆☆

مدرسۃ البنات اورخواتین پراس کی تعلیم کے اثرات

مطیع الرحمٰن سلفی شنکرپوری

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تعلیم کے بغیر کوئی قوم کامیابی و کامرانی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی ہے اوراس کے بغیر تہذیب وثقافت کے اعلیٰ معیار پر فائز ہونا بہرحال ناممکن اور محال ہے،اسی لئے اسلام نے علم کوروشنی اور جہالت کوتاریکی سے تعبیر کیا ہے اوراسے اللہ تک پہنچنے اوراس سے تعلق استوار کرنے کا وسیلہ بتایا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے پورے بنی نوع انسان کوحصول علم کی تلقین کرتے ہوئے اس میدان میں جدوجہد کی ترغیب دی ہے کہ خالق کی شناخت،آفاق وانفس میں تفکراوراللہ کی آیات میں غوروفکراس کے بغیرممکن ہی نہیں۔

علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی پہلی وحی نے لفظ "اقرأ" کے ذریعے بنی نوع انسان کو یہ ذہن نشین کرایا کہ مذہب اسلام اس بنیادی چیز کی طرف غیر معمولی توجہ دیتا ہے اس کے علاوہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے ذخائر میں علم حاصل کرنے کاحکم اوراس کی ترغیب بکثرت موجود ہے اورحصول علم کی فضیلت کا بیان مختلف طریقوں سے ہوا ہے کہیں اہل علم کے بلند درجات ومقامات کا ذکر ہے،ارشاد الٰہی ہے: **یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات واللہ بما تعملون خبیر** (سورہ مجادلہ:۱۱) کہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کواضافہ علم کی دعا سکھائی گئی ہے "**رب زدنی علما**" (سورہ طہ:۱۱۴) کہیں اسے ہر مسلمان کا فریضہ قرار دیا گیاہے۔ ارشاد نبوی ہے"طلب العلم فريضة على كل مسلم" (صحیح سنن ابن ماجہ:۴۴/۱) کسی جگہ طالب علم کے لئے دخول جنت میں سہولت کی بشارت موجود ہے۔ارشادنبوی ہے:"من سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له طريقا الى الجنة" (صحی سنن الترمذی:۳۳۶/۲) توکہیں اسے مجاہد فی سبیل اللہ کے بلندوبالا مقام پرفائز کیا جارہا ہے۔"من خرج فى طلب العلم فهو فى سبيل الله حتى يرجع" (ضعیف سنن الترمذی ص:۳۱۴) توکسی جگہ فرشتوں کو طالبان علوم نبوت کے لئے فرش راہ ہوتے اور کائنات کی ساری مخلوقات کوان کے حق میں دست بدعاء دکھایا گیاہے"وان الملائكة لتضع أجنحتها رضا لطالب العلم"غرض کہ مختلف پیرایےاورمتعدداسلوب سےعلم کی اہمیت وافادیت اجاگرکرکے ہرچھوٹے،بڑے، امیر،غریب،مرد وعورت،کالے،گورے اورعربی وعجمی مسلمان کوعلم کی روشنی سے مستفید اورفیض یاب ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔

مذہب اسلام اور تعلیم خواتین: قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں علم وعلماء کے جوفضائل بیان ہوئے ہیں ان

میں مرد عورت کی کوئی تخصیص وتفریق نہیں ہے بلکہ جس طرح دیگر احکام شریعت کا اطلاق مرد وعورت دونوں پر ہوتا ہے تعلیم کے سلسلے میں بھی اطلاق وعموم برقرار ہے اس لئے حصول علم جس طرح مردوں کے لئے باعث فضیلت ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی علم کا حصول باعث اعزاز ہے اور عورتوں کو مکمل حق حاصل ہے کہ اگر وہ مواقع میسر ہوں تو اسلامی آداب و شرعی پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ضروری مفید علوم وفنون حاصل کریں۔

اس کے علاوہ ذخیرۂ احادیث نبویہ میں مستقل تعلیم خواتین سے متعلق کئی احادیث وارد ہوئی ہیں چنانچہ ابوداؤد کی ایک روایت میں اس شخص کو جنت کی بشارت دی گئی ہے جس نے اپنی تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بیٹیوں یا دو بہنوں کی اچھی تربیت وپرورش کرکے ان کی شادی کرادی۔ (ضعیف سنن ابی داؤد ص: ۵۱۰) بیٹی اور بہن کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ اسلام نے لونڈیوں تک کے حسن تربیت کو مسلمانوں کے لئے باعث اجر بتایا ہے جیسا کہ امام بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ جس شخص نے اپنی لونڈی کو اچھی تعلیم دی اور اس کی اچھی تربیت کی اور پھر اس کو آزاد کرکے اس سے شادی کرلی تو وہ شخص دوہرے اجر وثواب کا حقدار ہے۔ (صحیح البخاری مع فتح الباری: ۱/۱۹۰ کتاب العلم)

تعلیم خواتین اسلام سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متذکرہ بالا ارشادات گرامی کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ بھی امام محدثین امام بخاری ومسلم کی روایتوں میں موجود ہے کہ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کی تعلیم وتربیت کے لئے ایک دن مخصوص فرمایا تھا۔ (صحیح البخاری مع فتح الباری: ۱/۱۹۵، کتاب العلم)

اسی طرح ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے ایک عالمہ خاتون الشفاء بنت عبداللہ العدویہ سے لکھنا سیکھتی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد زوجیت میں آنے کے بعد انہوں نے اپنا یہ مشغلہ نہ صرف یہ کہ جاری رکھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفا بنت عبداللہ العدویہ کو یہ حکم صادر فرمایا دیا کہ "الا تعلمین هذه رقية النملة كما علمتها الكتابة" (صحیح سنن ابی داود: ۲/۷۳۶- کتاب الطب) یعنی جیسے تم نے انہیں لکھنا سکھایا ہے اسی طرح انہیں پھوڑا پھنسی والی دعا کیوں نہیں سکھا دیتیں؟

تعلیم خواتین مختلف ادوار میں: تعلیم خواتین کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ کا نتیجہ تھا کہ متعدد صحابیات اسلامی علوم وفنون مثلاً علم القرأۃ، تفسیر، حدیث، فقہ وفرائض وغیرہ میں کمال کے درجہ کو پہنچی تھیں جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ، حفصہ، ام سلمہ، ام ورقہ، ہند بنت اسید، ام ہشام بنت حارثہ اور رائطہ بنت حیان رضی اللہ عنہن کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ (صوت الجامعہ: ص: ۴۵- فروری 1973ء)

عہد نبوی کے بعد بھی دیگر ادوار میں بھی بنات اسلام نے پورے تسلسل کے ساتھ علم سے اپنا رشتہ نہ صرف برقرار رکھا بلکہ بعض نے تو علمی میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے حتی کہ علم حدیث جیسے مقدس علم کی نشر واشاعت میں بھی انہوں نے اہم رول ادا کیا، چنانچہ تاریخ کے اندر محدثین

کرام کے سلسلۃ الذہب کی کڑیوں میں کریم المروزیہ اور سیدہ نفیسہ بنت محمد کے اسماء بڑے نمایاں ہیں اس کے ساتھ امام بخاری، حافظ ابن عساکر، امام شافعی، امام ابن حبان اور ابن خلکان رحمہم اللہ اجمعین جیسے اساطین علم وفن کے اساتذہ کی فہرست میں متعدد خواتین کے نام ملتے ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ خواتین نے اپنے ذاتی ذوق وشوق کی بنا پر نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کی نشر واشاعت کا فریضہ بھی انجام دیا۔

خواتین کی تعلیم کے مقاصد: اسلام نے خواتین کو تعلیم وتربیت سے آراستہ وپیراستہ کرنے پر زور دیا ہے اور احادیث شریفہ میں اس کے فضائل ذکر ہوئے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا ہوگا لیکن کچھ دنوں پہلے تک مسلمانوں میں علاحدہ نسواں مدارس کے قیام کا رواج نہ تھا بلکہ کچھ خواتین اپنے ذاتی ذوق وشوق کی بنا پر خود کو زیور علم سے آراستہ ومزین کرتی تھیں اور بعض خواتین گھریلو علمی ماحول کی برکت سے علم وفن سے بہرہ ور ہوتی تھیں اس وقت ان کے پیش نظر حصول علم کا مقصد اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا کچھ اور نہ ہوتا تھا وہ مختلف اسلامی علوم وفنون میں مہارت حاصل کر کے ان پر عمل پیرا ہوتی تھیں اور بسا اوقات ان کی نشر واشاعت میں بھی حصہ لیتی تھیں۔

مدارس نسواں مختلف ادوار میں: قدیم زمانہ میں عالمات وفاضلات نے عام طور سے اپنے اپنے گھروں میں اپنے اپنے درس کے حلقے قائم کئے تھے، بعد میں علاحدہ مدارس نسواں قائم کئے گئے چنانچہ بنات اسلام کی طرف سے سب سے پہلا مدرسہ مغرب اقصی کے شہر فاس سن 245 ہجری میں قائم ہوا جو آج بھی جامع قروین کے نام سے موجود ہے اور اس کا فیض عالم اسلام کی عظیم درسگاہ کی حیثیت سے جاری ہے اس کی تعمیر کا صحرا فاس کی ایک عابدہ زاہدہ نیک دل خاتون ام البنین فاطمہ بنت محمد عبداللہ فہریہ رحمہ اللہ علیہا کے سر ہے۔ (مدارس اہل حدیث کی ایک تاریخی دستاویز، نقش اول، ص: ۸۷۔ خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ص: ۹۸)

اسی طرح ام البنین کی بہن مریم بنت محمد عبداللہ فہریہ نے اسی سال سن 245 ہجری میں ایک مسجد تعمیر کرائی بعد میں یہ مسجد جامع الاندلس کے نام سے مشہور ہوئی اور اس سے بھی صدیوں تک علوم وفنون کا سرچشمہ جاری رہا اور چوتھی صدی میں اس کو جامعہ جامع قروین کی شاخ قرار دے دیا گیا۔ اندلس کی مشہور عالمہ فاطمہ بنت محمد اور دوسری عالمہ مریم بنت ابو یعقوب شابیہ ان دونوں فاضلات کے باقاعدہ نسوانی مدرسے تھے جن میں وہ مستقل طور سے عورتوں کو تعلیم دیا کرتی تھیں۔ (حوالہ مذکور ص: ۹۹) مکہ مکرمہ کے قاضی شہاب الدین طبری کی صاحبزادی ام الحسین محدثہ وفقیہہ اور عابدہ و زاہدہ عورت تھیں انہوں نے مکہ مکرمہ میں بہت سے رفاہ عام کے کام کئے جن میں کتاب یعنی یتیموں کے لئے مکتب بھی تھا اس مدرسہ کو تعمیر کر کے مکہ میں اور اس سے باہر بہت سی جائیداد وقف کی تاکہ یتیم بچوں کی تعلیم وتربیت ہو۔) العقد الثمین: ۸۳۴۳) اس کے علاوہ عرب ممالک میں بہت سارے مدرسۃ البنات قائم تھے۔ (خواتین اسلام کی دینی و علمی خدمات از قاضی اطہر مبارک پوری ص: ۹۸-۱۱۰)

برصغیر میں نسواں مدارس: گزشتہ چند دہائیوں قبل

برصغیر کے مسلمانوں نے خواتین کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کے لئے نسواں مدارس کے قیام کو خواتین کی تعلیم کے لئے زیادہ بہتر تصور کیا جس کے نتیجہ میں برصغیر کے اندر بھی نسواں مدارس اسلامیہ کے قیام کی جانب معمولی پیش رفت ہوئی اور آہستہ آہستہ نسواں مدارس قائم ہونے لگے اور اب صورتحال یہ ہے کہ ملک کا شاید ہی کوئی خطہ ہو جہاں نسواں مدارس نہ پائے جاتے ہوں خاص کر ہماری جماعت جماعت اہل حدیث کے تقریبا سیکڑوں مدارس نسواں خواتین اسلام کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہیں۔ (مدارس اہل حدیث ایک تاریخی دستاویز، نقش اول ص: ۶۱۴۔ باہتمام: اصغر علی امام مہدی سلفی، ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

نسواں مدارس کے اہداف ومقاصد: عصر حاضر میں باقاعدہ نسواں مدارس اسلامیہ کے قیام کے بنیادی اہداف ومقاصد تقریبا وہی قرار دیے گئے جو عام مدارس اسلامیہ کے قیام کے ہوتے ہیں تاہم خواتین کے وظیفہ حیات اور فرائض زندگی کا لحاظ کرتے ہوئے ارباب مدارس نے کچھ اور اہداف ومقاصد بھی اپنے پیش نظر رکھے جن میں سے بعض پیش خدمت ہیں۔

(۱) اسلامی شریعت کے بنیادی مصادر ومآخذ یعنی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی روشنی میں براہ راست اسلامی احکام کی معرفت تاکہ خواتین اسلام ان پر شرح صدر کے ساتھ عمل پیرا ہوسکیں اور وہ اسلام کے مطالبات کو پوری کرسکیں۔

(۲) صالح معاشرہ وسماج کی تشکیل میں مردوں کی بھرپور تعاون ومدد کریں اور اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری بہترین طریقہ سے انجام دینے کے لائق ہوں۔

(۳) عورتوں کے وظیفہ حیات کو ذہن نشین کر کے خواتین اپنے اقرباء بالخصوص والدین اور شوہر کے حقوق بحسن وخوبی ادا کرسکیں اور عائلی زندگی میں ان کی معاون ومددگار ہوسکیں۔

(۴) شوہر کے گھر کی حفاظت ونگہداشت اور اندرون خانہ مسائل حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو نیز اولاد کی بہترین تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دینے کی صلاحیت پیدا ہو۔

(۵) خواتین اپنے مقام ومرتبہ اور اپنی عصمت وعفت کی اہمیت کو پہچان سکیں اور نفع ونقصان کی تمیز کرسکیں۔

(۶) حتی الامکان مقتضائے حال کے مطابق اپنے گھر بار، پاس پڑوس اور اعزہ واقرباء کی عورتوں میں دعوتی فریضہ انجام دیں اور انہیں صالحہ خاتون بنانے کی کوشش کریں۔

یہ اور اس جیسے اہم اور صالح مقاصد مدارس نسواں قائم کرنے والوں کے پیش نظر تھے تاکہ خواتین اسلام اعلیٰ دینی تعلیم سے مزین ہو کر معاشرہ کا اہم عنصر ثابت ہوں اور علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے فرائض وواجبات کو بطریق احسن انجام دے سکیں۔

عصر حاضر اور مدارس نسواں کے مقاصد:

موجودہ مدارس نسواں مذکورہ اہداف ومقاصد کے حصول میں کس حد تک کامیاب ہیں اور ان مدارس سے فارغ ہونے والی خواتین کی عملی زندگی میں کس قسم کی تبدیلی پیدا ہو رہی ہے اور یہ اپنے فرائض وواجبات سے کس حد تک عہدہ برآ ہو رہی ہیں، اس کا فیصلہ اصحاب فکر ونظر ہی کر سکتے ہیں۔ موجودہ نسواں مدارس اسلامیہ کی تعلیمی حالات گرچہ بہت حد تک اطمینان بخش ہیں مگر تربیت کے میدان میں ان کی

کارکردگی قدرے مایوس کن ہے اور ان مدارس سے وہ مقاصد حاصل نہیں ہو پا رہے ہیں جو ان کے قیام کا اصل محرک تھے،ان مدارس سے طالبات کی جو جماعت عالمہ وفاضلہ ہو کر معاشرہ میں پہنچ رہی ہے وہ اپنے امتیازی اوصاف وخصوصیات سے عاری ہے بلکہ عملی میدان میں ان کی کوتاہیاں ملت کے لئے بہت افسوسناک و ہتک آمیز ثابت ہورہی ہیں۔

نسواں مدارس اسلامیہ کی تعلیم یافتہ خواتین میں مغربی تہذیب کے اثرات تیزی سے سرایت کررہے ہیں،مغربی کلچر کی ظاہری چمک دمک کو وہ للچائی نظروں سے دیکھ رہی ہیں، سادگی اور قناعت جو ایک مومنہ خاتون کا امتیازی وصف تھااس کی جگہ فیشن پرستی نے لے لی ہے،ان کی پوری کوشش موڈرن خاتون بننے میں صرف ہورہی ہے اور سب سے زیادہ کھٹکنے وگھٹن والی بات یہ ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین اپنے وظیفہ حیات اور فریضہ زندگی کو بہ طریق احسن انجام دینے اور سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اچھی بیٹی اوراچھی بہو کا رول ادا کرنے میں ناکام ثابت ہورہی ہیں،جس کے نتیجہ میں مسلم معاشرہ انتشار وافتراق کا شکار ہورہا ہے اور بسا اوقات معاملہ طلاق یاخلع تک پہنچ جاتا ہےاوراب صورتحال یہاں تک پہنچ گئی ہےاورلوگ دبی زبان سے کہنے لگے ہیں، حتی کہ راقم الحروف کے ایک استادمکرم کی بھی رائے اور موقف ہے کہ جسے اپنا گھر تباہ کرنا ہواوراسے جہنم کانمونہ دیکھنا ہووہ اپنی بہن، بیٹی اور بھتیجی کوموجودہ مدارس سے تعلیم یافتہ بنائے یاتعلیم یافتہ خاتون سے شادی کرلے۔

اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ مذکورہ بالانقائص اور خامیاں کم وبیش غیرتعلیم یافتہ اورغیراسلامی عصری اسکولوں اور کالجوں کی تربیت یافتہ خواتین میں بھی پائی جاتی ہیں،ان کی اصلاح کی جانب بھی توجہ دینے اورانہیں غیراسلامی افکار و خیالات اورمغربی تہذیب وتمدن سے محفوظ رکھنے کے لئے مناسب لائحہ عمل تیارکرنے کی شدیدضرورت ہے،مگران کا رویہ حیرت واستعجاب کا باعث اس لئے نہیں کہ ان کی ذہنی و فکری تربیت غیراسلامی ماحول میں ہوئی ہے البتہ حیرت ان خواتین کے طرزعمل پرہورہی ہے جن کی تعلیم وتربیت خالص دینی اوراسلامی ماحول میں ہوئی اورجنھوں نےاپنی زندگی کے قیمتی دس بارہ سال دینی اداروں کے اندر حصول تعلیم میں صرف کئے اور براہ راست کتاب وسنت سے اخلاق و آداب کا سبق سیکھا،اگرایسی خواتین صالحہ اورمومنہ خاتون کی اعلی صفات سے متصف نہ ہوکرمغربی تہذیب کی دلدادہ بن جائیں اورحضرت مریم،حضرت آسیہ،حضرت خدیجہ،حضرت عائشہ،حضرت فاطمہ،حضرت حفصہ،حضرت زینب اورحضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن جیسی قابل فخرپاک بازمتقی خواتین اسلام کے نقش قدم کوچھوڑ کرمغرب کی آبرو باختہ، فاحشہ، زانیہ اور طائفہ عورتوں کواپنا آئیڈیل ونمونہ تصورکرنےلگیں تو آخرہم کیا نتیجہ اخذکریں گے؟ کیا ہم یہ دعوی کرسکتے ہیں کہ اپنے مقاصد میں ہم سو فیصد کامیاب ہیں یا ہم شرح صدر کے ساتھ اپنے اپنے نظام تعلیم وتربیت میں کمی کااعتراف کرکےان کے ازالہ کی تدبیر پرغوروفکرکریں گے۔

تربیت کے میدان میں نسواں مدارس کی ناکامی کے متعدداسباب اوراس کےازالہ کےلیے چندمفیدتجاویز:

تربیت کے میدان میں مدرسۃ البنات کی ناکامی کے

اسباب متعدد و متنوع ہو سکتے ہیں اور اس سلسلے میں ناکامی کا پہلا اور بنیادی سبب نظام تربیت کا فقدان ہے اور یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ تعلیم کے لئے ان مدارس کا نصاب تو باقاعدہ تیار کیا جاتا ہے، مگر تربیت کے لئے ذمہ داران کے سامنے کوئی خاکہ یا لائحہ عمل نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ، اس لئے ضرورت ہے کہ مدارس میں نظام تربیت تیار کر کے طالبات کی ذہن سازی کی جائے ان کے اندر دین کا شعور اور اسلامی احکام سے محبت کا جذبہ پیدا کیا جائے، ان کے اندر خود اعتمادی پیدا کر کے مغربی تہذیب سے مرعوبیت ان کے ذہن سے نکالی جائے، تعلیم کے ساتھ ساتھ امور خانہ داری کی تربیت دی جائے اور انہیں اس لائق بنایا جائے کہ وہ آئندہ عملی زندگی میں مسلم معاشرہ کا ایک کامیاب اور مؤثر عنصر بن سکیں، ان کا وظیفہ حیات ان کے ذہن نشیں کرایا جائے اور ان کو یہ باور کرایا جائے کہ گھر کی چار دیواری ہی ان کی اصل جولانگاہ و ماحول ہے جہاں انہیں اپنے واجبات و فرائض ادا کرنے ہیں۔

اس سلسلے میں چند تجاویز پیش خدمت ہیں جو نہ حتمی ہیں اور نہ آخری لیکن توقع کی جاتی ہے کہ اگر ان کو کسی حد تک عملی جامہ پہنایا جائے تو مدارس نسواں کا تربیتی نظام قدر بہتر ہوسکتا ہے۔

(۱) مدرسۃ البنات کے لئے بنیادی ضرورت معمر، سنجیدہ، با اخلاق، پابند شرع، نیک، ہر دلعزیز، سادگی پسند، اسلامی آداب و احکام سے واقف اور اسلامی روح کو سمجھنے والی ایک یا حسب ضرورت ایک سے زائد مربیات کی تقرری و فراہمی ہوتا کہ لائحہ عمل کے مطابق یہ طالبات کو عملی تربیت دے سکیں اور دین کا صحیح مزاج ان کے اندر پیدا کر سکیں، مربیات کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا بہت ضروری نہیں ہے بلکہ زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ عملی طور سے اسلام کی نمائندگی کرنے والی ہوں اور حکمت عملی کے ساتھ ایک مشفق ماں کی طرح طالبات کو اپنی بیٹیاں سمجھ کر ان کی تربیت کا جذبہ رکھتی ہوں، نیز ایسی مربیہ و نگراں کی تقرری نہ ہو جو خود تربیت کی محتاج ہو اور اس میدان میں ناتجربہ کار ہو، بلکہ مذکورہ صفات کی حامل مربیات کی ضرورت ہے۔

(۲) دوسری تجویز یہ ہے کہ کتابی و درسی تعلیم کے ساتھ ساتھ پندرہ روزہ یا ماہانہ تربیتی پروگرامس رکھے جائیں جن میں منصوبہ بند طریقہ سے محاضرات، بیانات اور لکچرز کا انتظام کیا جائے، یہ محاضرات مدرسہ کے ذمہ داران، اساتذہ اور معلمات کے علاوہ باہر کے تعلیم یافتہ اور تجربہ کار لوگوں سے بھی دلائے جاسکتے ہیں۔

(۳) محاضرات کے موضوعات اگر خواتین ہی سے متعلق ہوں تو بہتر ہے عمومی اخلاق و آداب پر بھی گفتگو ہونی چاہئے، محاضرات کچھ اس طرح ہو سکتے ہیں، اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ، عورت کا وظیفہ حیات، مساوات مرد و زن کا صحیح مفہوم، آزادی نسواں سے متعلق اسلام کا موقف، پردہ کے احکام و آداب، عصمت و عفت کی حفاظت، غض بصر کے فوائد و ثمرات، فیشن پرستی کے نقصانات، بیوی کے فرائض و شوہر کے حقوق، اجنبی سے گفتگو کے آداب وغیرہ اسی طرح سادگی، قناعت، حسن خلق اور دوسرے اخلاقی موضوعات بھی ان کے سامنے بیان کر کے انہیں عملی زندگی میں نافذ کرنے کی تلقین کرنی چاہئے۔

(۴) مدارس و اسکول کے تعلیمی و تربیتی نظام

میں بنیادی کردار تدریسی عملہ کا ہوتا ہے اس لیے کہ ان سے طلبہ وطالبات کا گہرا ربط وتعلق ہوتا ہے اور وہ اپنے اساتذہ کو نمونہ بنا کر ان کے نقش قدم پر چلتے اور ان کا رنگ اختیار کرنے کی شعوری یا لاشعوری کوشش کرتے ہیں ،اس لئے ذمہ داران مدارس کو چاہئے کہ معلمات واساتذہ کی تقرری کے وقت عملی صلاحیت ولیاقت اور تدریسی قابلیت کے ساتھ ساتھ اس کا بھی لحاظ رکھیں کہ وہ دین پسند،سادہ اسلامی زندگی گزارنے والی اور صوم وصلاۃ کی پابند معلمات کی خدمات حاصل کریں،آج کل مدارس میں جو خامیاں نظر آتی ہیں، بہت حد تک اس کی ذمہ دار وہ معلمات ہیں جو اسلامی تہذیب کے احیاء کے بجائے مدارس میں غیر اسلامی مغربی تہذیب کو عملاً رواج دے رہی ہیں اور فیشن پرستی کی لعنت میں پوری نسل کو گرفتار کررہی ہیں۔

(۵) یوں تو نصاب تعلیم کا بنیادی مقصد طالبات کو منصوبہ بند طریقہ سے علوم وفنون سے بہرہ ور کرنا اور ان کی عمر کے لحاظ سے ان میں علمی قابلیت پیدا کرنا ہے مگر تربیت کے سلسلے میں بھی نصاب تعلیم کا رول کم اہم نہیں ہے،اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اونچے درجات کی طالبات کو وہ مباحث جو فرائض و واجبات نسواں سے متعلق ہیں ضرور پڑھائے جائیں مثلاً تفسیر قرآن میں سورہ نساء ،احزاب، نور،تحریم اور سورہ طلاق اور کتب احادیث میں وہ ابواب جو خواتین کے خصوصی احکام و مسائل پر مشتمل ہوں لازماً نصاب میں شامل کئے جائیں اور ان کی تدریس کے لئے تجربہ کار اساتذہ یا معلمات کا انتخاب کیا جائے جو بڑے آسان اسلوب میں مسائل کو ان کے ذہن میں اتارسکیں اور خواتین سے متعلق گمراہ کن نظریات وعقائد کی تردید کر سکیں، نیچے درجہ کی طالبات کو صحابیات اور اسلامی خواتین کی سیرت پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کرایا جائے یا انہیں درس میں باضابطہ پڑھایا جائے اس سے بھی بہتر نتائج حاصل ہونے کی امید ہے۔

(۶) عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اکثر حضرات اپنی بچیوں کو اعلیٰ تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنے کے لئے نسواں دینی مدارس میں داخل کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بچی کی تربیت کا حق ادا کردیا، یہ والدین اور سرپرستوں کی بڑی بھول ہے،ان کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی تربیت سے کبھی بھی غافل نہ ہوں اور ایک طرف مدرسہ کے ذمہ داران سے اپنی بچی کی تربیتی رپورٹ طلب کر کے حسب ضرورت بچی کو تنبیہ کریں تو دوسری طرف جب بچی مدرسہ سے نکل کر گھر جائے تو اس پر کڑی نظر رکھیں،نماز کے اہتمام اور پردہ کی سخت تاکید کریں۔

خلاصہ کلام: متذکرہ بالا سطور میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ بقدر مشترک تقریباً تمام نسواں اداروں میں پائے جاتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تمام طالبات اور ان سے فارغ ہونے والی خواتین اسلام میں یہ نقائص بلا استثناء لازماً پائے جاتے ہیں اور نہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مدارس نسواں اپنے مقصد وجود کو بالکل کھو بیٹھے ہیں اور ان کی افادیت ختم ہوگئی ہے بلکہ ان معروضات کا مقصد یہ ہے کہ ذمہ داران مدارس وارباب حل وعقد بچوں کے تربیتی نظام کو مزید مؤثر بنانے کے لئے عملی تدبیر کریں تاکہ ان کی کوشش زیادہ ثمر آور ہوسکے۔ ☆☆

میرے یار، میرے دوست تم بھی ساتھ چھوڑ گئے

ایم اے فاروقی

کل شام چھ بجے میرے ماموں زاد بھائی مولانا حسان صاحب سلفی ناظم دارالدعوۃ لال گوپال گنج الہ آباد کی اہلیہ کے انتقال کی خبر ملی مرحومہ رشتہ میں میری بہن ہوتی تھیں، نہایت دین دار خاتون تھیں، عمر کے آخری پڑاؤ میں شریک حیات کا جدا ہوجانے کا صدمہ بے حد اذیت ناک ہوتا ہے، حسان بھائی کے پرسے سے صبح ساڑھے سات بجے فارغ ہی ہوا تھا، کہ فیس بک پر مولانا عبید اللہ طیب کے سانحہ ارتحال کی خبر پڑھنے کو ملی، خبر کیا تھی ایک بجلی تھی جو کوندگئی۔

نظروں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا، دل و دماغ ماؤف سے ہوگئے، ایک ساتھی اور دوست کے بچھڑنے کا صدمہ ایسے ہے کہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا جارہا ہے، دوستی بھی ایسی ویسی نہیں اکسٹھ باسٹھ سال کی قدیمی ہم دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کو دوسوا ابے دوسوا کہہ کر مخاطب کرتے، ٹھیک سے یاد نہیں شائد تین یا چار ماہ قبل عزیزی ظفر نعمان کے بیٹے کے عقیقہ میں گیا، مقصد یہی تھا کہ اسی بہانے دوسوا سے ملاقات ہوجائے گی، ملاقات ہوئی ہم نے ایک دوسرے کے دکھ درد سنے، بیماریوں کی کہانیاں سنیں، بڑھاپے میں بیان کرنے کو اس کے علاوہ کیا رہ جاتا ہے، کہنے لگے دوسوا کمزوری بہت زیادہ ہے، معدہ صحیح سے کام نہیں کررہا ہے، بھوک بالکل نہیں لگتی، میں نے کہا بڑھاپے میں ان بیماریوں کے ساتھ جینے کی عادت ڈال لے میرے دوست، کسے معلوم تھا یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ چند روز قبل عزیزی ضمیر نے اطلاع دی کہ آپ کے دوست ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں، فیس بک کے ذریعہ ان کے شاگردوں کو اطلاع دے دیں اور دعا کے لئے کہہ دیں، شب میں خیریت لینے کے لیے ضمیر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن رابطہ نہ ہوسکا، صبح ان کے دنیا سے اٹھ جانے کی خبر ملی، ضمیر کا نمبر ملایا تو عبید اللہ کے داماد نے فون رسیو کیا اور تفصیل بتائی کہ ابھی کوئی آدھ گھنٹہ قبل سانس ڈوب گئی، علاج کے لیے میدانتا لکھنؤ لائے تھے کہ وقت موعود آگیا، إنا لله وانا اليه راجعون.

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه والهم ذويه الصبر والسلوان۔

ان کے گھر والے ایمبولینس سے لکھنؤ لے کر گئے تھے کہ اللہ تو مردوں میں جان ڈال دیتا ہے، لیکن مایوسی ہاتھ لگی، ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ اب کچھ نہیں باقی بچا ہے، میت لے کر واپس آگئے۔ اس گھاٹ پر اترنا تو سب کو ہے اس کے بغیر چارہ نہیں، لیکن پہلے جانے والا جو غم دے جاتا ہے وہ ناقابل بیان ہوتا ہے۔

میں یاد کر اٹھتا ہوں جو
یوں مجھ سے پہلے اٹھ گئے

جس طرح طائر باغ کے
یا جیسے پھول اور پتیاں
گر جائیں سب قبل از خزاں
اور خشک رہ جائے شجر
اس وقت تنہائی مری
بن کر مجسم بیکسی
کر دیتی ہے پیشِ نظر
ہو حق سااک ویران گھر
ویراں جس کو چھوڑ کے
سب رہنے والے چل بسے

آہ ان دوستوں کی اب تو صرف یادیں رہ گئیں ہیں، احباب کا غم اٹھانے کے لیے میں جیے جارہا ہوں، عبید اللہ کے علم وفضل کا بکھان کیا کروں، ہمارے لیے تو وہ صرف دوسوا تھے، شخصیت ایسی پیاری تھی کہ چند ساعتوں میں من موہ لے، میرے تو وہ بچپن کے یار نہیں لنگوٹیا یار تھے، ہم عمر اور ہم سن تھے، ہم دونوں کی پیدائش ۱۹۵۲ء کی تھی (جامعہ سلفیہ کے داخلہ رجسٹر میں ان کی تاریخ پیدائش ۱۹۴۷ء لکھی ہوئی ہے، در اصل یہ تاریخ پیدائش مولانا آزاد رحمانی رحمہ اللہ نے اندازے سے لکھ دی تھی) اور اب ہم ستر کے پار جارہے تھے کہ رب کا بلاوا آ گیا اور وہ جوار رحمت میں چلے گئے، اللہ مغفرت کرے اور لغزشوں کو معاف فرمائے۔

مولانا عبید اللہ طیب نے علم وادب کی آغوش میں پرورش پائی، والد محترم مولانا حافظ ابوالقاسم بنارسی، مولانا منیر خاں رحمہ اللہ (وفات ۱۹۴۵ء) کے عزیز ترین شاگرد اور بنارس کے بڑے عالم تھے، جامعہ رحمانیہ میں کچھ عرصہ تک اعزازی طور پر تدریس سے منسلک رہے، غالباً ۱۹۶۵ء میں انتقال ہوا، اس وقت عبید اللہ کی عمر تیرہ سال تھی اور وہ عربی کی ابتدائی جماعتوں میں پڑھ رہے تھے، بڑے بھائی استاذ الاساتذہ مولانا عبدالوحید رحمانی سابق شیخ الجامعۃ السلفیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، اللہ نے ان کے خاندان کو خوب علم وفضل سے نوازا، ان کے بھتیجوں میں مولانا انس مکی جامعہ سلفیہ کے اب سینئر اور ممتاز استاد ہیں نیز جامعہ میں مدیر لجنۃ الامتحان کے منصب پر فائز ہیں، دوسرے بھتیجے مولانا ظفر نعمان جامعہ ام القری مکہ مکرمہ سے ایم اے ہیں اور جامعہ رحمانیہ کے شعبۂ عالیہ میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، عزیزی انس سلمہ کے بیٹے ظبیان انس جامعہ سلفیہ سے فارغ ہیں، ماشاءاللہ بنارس کے نوجوان اہل حدیث مقررین میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں، مولانا کی بیٹی اور دو بھتیجیاں جامعہ رحمانیہ (بنات) میں تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں (افسوس کہ آپ کی ایک بھتیجی اور رحمانیہ کی ممتاز استانی کا انتقال دوران ملازمت کچھ سال قبل ہوگیا) علم کے اعتبار سے آپ کے خاندان پر اللہ رب العالمین کا یہ خاص فضل وکرم ہے۔

(ذالک فضل الله يوتيه من يشاء)

پرائمری سے ہمارا ان کا جو ساتھ ہوا تو قضا ہی اس رفاقت کو توڑ سکی، پرائمری تعلیم کے کچھ اور ساتھی تھے جو ترک تعلیم کر کے اپنی روزی روٹی میں مصروف ہوگئے، لیکن دوستوں کے حلقے میں شامل رہے، فضل الرحمان، شاہد جمال، اقبال، مولانا محمد مدنی استاد جامعہ سلفیہ بنارس، یہ سب کے سب آج مرحوم ہو چکے ہیں، تعلیمی سفر کے ساتھی عبید اللہ اور

عبداللہ زبیری تھے، سالانہ اور ششماہی امتحان کے دوران دونوں کا زیادہ وقت دارالاقامہ میں گزرتا، تیاریاں تو کم ہوتیں اودھم بازی اور مستیاں زیادہ ہوتیں، علمی دلچسپیوں اور ذوق میں عبیداللہ اور مجھ میں بڑی ہم آہنگی تھی جس نے ہمیں دوستی کے مضبوط رشتے میں ہمیشہ جکڑے رکھا، ہم دونوں کے ساتھ عبداللہ زبیری بھی تھے ہم نے ایک ساتھ رحمانیہ اور سلفیہ کا تعلیمی سفر طے کیا آہ اس مثلث کا ایک زاویہ اب گر چکا ہے، عبیداللہ کی ذہانت اور فطانت قابل رشک تھی، رحمانیہ میں کبھی ان کا امتحان میں پہلا نمبر آتا کبھی میرا، ہم دونوں میں کبھی منافست اور مقابلہ آرائی نہیں ہوئی جس کا بھی پہلا نمبر آیا دونوں خوش ہولیے، جامعہ سلفیہ پہنچے تو رحمانیہ کے سات ساتھی سترہ ہو چکے تھے، باستثنائے چند ہم لوگ ایک ساتھ مل کر امتحان کی تیاری کرتے، تکرار اور آموختہ کی رویزن کرانے والے صرف چار پانچ لوگ ہوتے، تفہیم کی سب سے زیادہ صلاحیت عبیداللہ اور مفضل (ڈاکٹر مفضل حفظہ اللہ استاد جامعہ سنابل دہلی) میں تھی یہ تھک جاتے تو میرا اور سہیل (شیخ سہیل مدنی امیر جمعیت اہل حدیث مئو) کا نمبر آتا ہم دونوں سمجھاتے تو منھ سے الفاظ کم جھاگ زیادہ نکلتا عالمیت تک تکرار کرانے میں حکیم عبدالحنان رحمہ اللہ بھی شریک ہوتے، ہماری اور عبیداللہ کی شامیں بھی اکثر ایک ساتھ گزرتیں، وہ سرو قد تھے ہم شجر صنوبر، ساتھ چلتے تو لا کی تصویر بن جاتے، وہ اپنی لمبائی کی وجہ سے نمایاں ہوتے، ہم اختصار کی وجہ سے ہستی سے نیستی میں چلے جاتے کبھی عبداللہ زبیری ساتھ ہوتے تو ہم بیچ میں رہنے کی کوشش کرتے تاکہ لام کی شکل میں ہم بھی کچھ نمایاں ہوسکیں، فاضل ادب کے لیے ہم نے اور عبدالرحمان (ڈاکٹر عبدالرحمان پریوائی) نے فارم بھر دیا، عبیداللہ تیار نہیں ہوئے، عبدالرحمان نے امتحان دے دیا، عبیداللہ نے کہا امسال امتحان نہ دے اگلے سال ہم دونوں ایک ساتھ فاضل ادب کا امتحان دیں گے ہم نے امتحان نہیں دیا اور اگلے سال ایک ساتھ امتحان دیا، مختصر چھٹیوں میں وہ کبھی کبھار ہمارے ساتھ پریوا چلے جاتے، میں تو دیہاتی آب وہوا میں پلا بڑھا تھا، ان کے لیے دیہی زندگی نئی چیز تھی باغات، نہر اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے خوب لطف اندوز ہوتے۔

تعلیمی دور میں ۱۶/جون ۱۹۷۲ء کو بنارس میں فرقہ وارانہ فساد ہوا مدن پورہ کے لوگوں پر پولیس کا قہر ٹوٹ پڑا، شیخ الجامعہ مرحوم اور عبیداللہ پولیس کی تعذیب کا شدید نشانہ بنے، اس وقت مشہور کانگریسی نیتا کملا پتی ترپاٹھی یوپی کے وزیر اعلیٰ تھے، بیٹھک کے الیاس دانیتا (مولانا سعید میسور مدنی کے والد) کانگریس کے نائب صدر تھے، پولیس نے ان کو بھی نہیں بخشا، شیخ ہادی کو رحمانیہ کی قدیم عمارت (موجودہ رحمانیہ بنات) میں رکھا گیا تھا، پولیس نے مدرسہ کی تلاشی لی، کوتوال غالبا اس کا نام چنڈولہ تھا اس نے شیخ کی گھڑی چھین لی، معاملہ سعودی سفارت خانہ تک پہنچ گیا، کوتوال کا تبادلہ ہوگیا، گھڑی واپس مل گئی، فساد ختم ہوا تو وزیر موصوف نے متاثرین کو بطور اشک شوئی معمولی سی رقم دے دی، عبیداللہ کو غالبا پانچ سو روپے ملے تھے، لیکن کمر پر جو چوٹیں آئی تھیں ان کا اثر کبھی نہیں گیا۔

ہم دونوں کی شادیاں ایک سال کے فرق سے ہوئیں تھیں میری شادی کا کرتا پاجامہ عبیداللہ نے اپنی بہن سے سلوایا تھا، فراغت کے بعد وہ کچھ ماہ تک سلفیہ کی لائبریری میں

بحیثیت لائبریرین رہے، ان کی منظوری مدینہ یونیورسٹی کے لیے آ گئی وہ آگے کی تعلیم جاری رکھنے کے لیے مدینہ منورہ چلے گئے وہاں سے لیسانس کیا پھر ایم اے کے لیے جامعہ ام القری مکہ مکرمہ میں داخلہ لیا۔

ہماری زندگیوں کا سنہری دور گزر چکا تھا، طالب علمی کا زمانہ بھی کیسا زمانہ تھا، ہائے وہ بے فکری، فقیری میں بھی بادشاہی، نہ مسئلے تھے، نہ مستقبل کی سوچ، پڑھنا، مستی کرنا، شاموں کو انجوائے کرنا، اب تو جامعہ سلفیہ میں حاضری کی بڑی سختی ہے، ہمارے وقتوں میں استاد حاضری تو لیتا تھا لیکن بہت زیادہ سختی نہ تھی، یاد آتا ہے کہ ناشتے کے بعد کی گھنٹی میں کبھی کبھی ہم اور عبید اللہ تاخیر سے پہنچتے یا اس گھنٹی میں ناغہ ہو جاتا، ہم دونوں کا تعلیمی ریکارڈ اچھا تھا اس لیے استاد بھی نظر انداز کر دیتے، اردو ادب سے ہم دونوں کو شروع ہی سے دل چسپی تھی، رحمانیہ کے زمانہ سے ہی سعیدیہ لائبریری کو تاک لیا تھا، لائبریری کا ایک دروازہ عبید اللہ کے گھر کے صحن میں کھلتا تھا، اس وقت لائبریرین منشی خلیل مرحوم تھے جو رحمانیہ میں پرائمری کے استاد تھے، وہ ہم لوگوں کو بھی پڑھا چکے تھے، عصر بعد لائبریری کھلتی اور عشا سے پہلے بند ہوتی، لائبریری کی کنجیاں عبید اللہ کے گھر ہی میں رکھی جاتیں، ہم دونوں ظہر کے وقت ان کے گھر کے اندر سے لائبریری کھولتے اور من پسند کتابیں نکال لیتے، منشی جی کو خبر بھی نہ ہونے پاتی، کبھی بھائی صاحب کے نام ایشو کراتے، برس چودہ کا پندرہ سن تھا، جوانی دستک دے چکی تھی، رومانی ناولوں کا اچھا خاصا سرمایہ لائبریری میں تھا، ہم دونوں نے وہیں سے آغاز کیا اور پھر ایسا چسکہ لگا کہ کتب خانے کا بیشتر ذخیرہ چاٹ گئے، عبید اللہ ہی کی وساطت سے اسلامیہ لائبریری کے ممبر بھی بن گئے، دراصل ان کے ایک رشتہ دار لائبریری کے منصب دار تھے، شعور میں پختگی آئی اور ہم سلفیہ پہنچ گئے تو تاریخ، اسلامیات، ادب اور اردو عربی کے دوسرے موضوعات پڑھنے میں دل چسپی ہوئی، عبید اللہ نہایت خوش گلو تھے، دھیمی دھیمی آواز میں ترنم کے ساتھ احمد ندیم قاسمی کی یہ غزل:

تجھے اظہار محبّت سے اگر نفرت ہے
تو نے ہونٹوں کو لرزنے سے تو روکا ہوگا
بے نیازی سے مگر کانپتی آواز کے ساتھ
تو نے گھبرا کے میرا نام نہ پوچھا ہوتا
تیرے بس میں تھی اگر مشعل جذبات کی لو
تیرے رخسار میں گلزار نہ بھڑکا ہوتا
یوں تو مجھ سے ہوئیں صرف آب وہوا کی باتیں
اپنے ٹوٹے ہوئے فقروں کو تو پرکھا ہوتا
یونہی بے وجہ ٹھٹھکنے کی ضرورت کیا تھی
دم رخصت اگر یاد نہ آیا ہوتا
تیرا اغماز بنا خود تیرا انداز خرام
دل نہ سنبھالا تھا تو قدموں کو سنبھالا ہوتا
اپنے بدلے میری تصویر نظر آجاتی
تو نے اس وقت اگر آئینہ دیکھا ہوتا
حوصلہ تجھ کو نہ تھا مجھ سے جدا ہونے کا
ورنہ کاجل تیری آنکھوں میں نہ پھیلا ہوتا

اور کیفی اعظمی کی نظم ”ہو کے مجبور مجھے اس نے بھلایا ہوگا“ کے خاص طور سے یہ دونوں بند:

چھیڑ کی بات پہ ارماں مچل آئے ہوں گے
غم دکھاوے کی ہنسی میں ابل آئے ہوں گے
نام پر میرے، جب آنسو نکل آئے ہوں گے
سر نہ کاندھے سے سہیلی کے اٹھایا ہوگا
ہو کے مجبور مجھے اس نے بھلایا ہوگا
زلف ضد کر کے کسی نے جو بنائی ہوگی
اور بھی غم کی گھٹا مکھڑے پہ چھائی ہوگی
رنگ چہرے پہ کئی روز نہ آیا ہوگا
ہو کے مجبور مجھے اس نے بھلایا ہوگا

احباب کے اصرار پر پڑھتے، تو سماں باندھ دیتے، یہ عہد تعلیم کی خوب صورت یادیں ہیں، جن کے نقش دل ودماغ میں ابھی بھی محفوظ ہیں، وقت کے ساتھ ہماری دل چسپیاں بدلتی گئیں، ان کی رائٹنگ بڑی خوب صورت تھی، لکھتے تو جیسے موتی پروتے، تفہیم میں انھیں بڑا ملکہ حاصل تھا، خطابت سے زیادہ دل چسپی تھی، مضمون نگاری سے کم لگاؤ تھا، حالانکہ اردو عربی دونوں میں لکھنے کی اچھی صلاحیت تھی، میری اردو اچھی تھی تو ان کی عربی، مجھے یاد ہے کہ ایک بار ''اردو زبان اور اس کا مستقبل'' پر ندوۃ الطلبہ'' کی طرف سے عالمیت کے لیے مضمون لکھنے کی دعوت دی گئی، مضمون میں نے لکھا، لیکن اسے عبید اللہ نے سنایا، افسوس کہ اس مقابلے میں صرف ایک ہی مضمون نگار نے شرکت کی، اشعار مجھے زیادہ یاد تھے، لیکن ان میں کچھ نہ کچھ حذف یا اضافہ کر دیتا، بیت بازی ہوتی تو ہم، عبید اللہ اور عزیز الرحمٰن جون پوری ایک گروپ میں ہوتے، میں اشعار کی نشاندہی کرتا، عبید اللہ یا عزیز الرحمٰن اس کی تصحیح کر کے پڑھ دیتے، انھیں کھیل سے کوئی لگاؤ نہیں تھا، ہم لوگ گنگا نہانے کے لیے جاتے تو کبھی کبھار عبید اللہ کو بھی گھسیٹ کر لے جاتے وہ پانی سے بہت ڈرتے زبردستی پانی میں گھسیٹتے تو چوتھی گھاٹ کی سیڑھی پکڑ کے چھپ چھپ پانی میں پیر چلا لیتے، ہم اور عبد اللہ زبیری نے بڑی کوشش کی وہ بھی تیرا کی سیکھ لیں لیکن کبھی راضی نہیں ہوئے، ہم درسی کتابوں کے کیڑے کبھی نہیں بنے، بس اساتذہ کی گھنٹیوں میں جو پڑھ لیتے وہی کافی ہوتا، ہاں امتحان کے دنوں میں ساری تفریحات اور مشاغل بالائے طاق رکھ دیتے، تیاری اجتماعی کرتے اور امتحان کے چار پانچ روز قبل یہ سلسلہ ختم کر دیتے، اس وقت مسجد کی تعمیر ہوئی تھی، نہ دارالحدیث ہال بنا تھا اور نہ لائبریری والی بلڈنگ بنی تھی، گیٹ سے گھستے ہی گراؤنڈ فلور پر دس کمرے تھے اس کے اوپر پانچ کمرے اور لائبریری تھی، بعد میں اوپر پانچ کمرے اور تعمیر کر دیے گئے، اوپری منزل میں طلبہ رہتے تھے نیچے جو درس گاہیں تھیں وہی اساتذہ کی رہائش گاہیں بھی تھیں، لائبریری کی عمارت تعمیر ہوگئی تو پورا مکتبہ وہاں منتقل کر دیا گیا اور پرانی لائبریری کو ندوۃ الطلبہ کی لائبریری میں تبدیل کر دیا گیا، پہلے اسی میں امتحانات ہوتے تھے، میٹنگیں اور فنکشن اسی لائبریری میں ہوتے تھے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس وقت امتحانوں میں رول نمبر کا رواج نہیں تھا، قطاروں میں طلبہ کو بٹھا دیا جاتا، یہ دھیان ضرور رکھا جاتا کہ ایک کلاس کے دو بچے آگے پیچھے نہ بیٹھیں، اس وقت کل پینسٹھ ستر لڑکے رہتے تھے اس لیے زیادہ پریشانی نہیں ہوتی تھی، ہمارا اور عبید اللہ کا دستور تھا کہ وہ دوسری قطار میں بیٹھتے اور میں ٹھیک ان کے سامنے دوسری قطار میں بیٹھتا، الحمد للہ

تیاری اس قدر مکمل ہوتی کہ ایک دوسرے سے پوچھنے یا نقل کرنے کی کبھی ضرورت تو نہیں محسوس ہوئی، البتہ اگر سوال میں کوئی پیچیدگی ہوتی یا جواب مکمل ہے کہ نہیں اس میں شبہ ہوتا تو وہ یا میں کاپی کا لکھا ہوا صفحہ کھول دیتا، پڑھ کر ہم دونوں دو بار پٹر پٹر پلکیں جھپکا دیتے، عجیب بات ہے اس کے باوجود ہم دونوں کے نمبرات میں فرق ہوتا، اگر کسی کو شبہ ہو تو وہ نتائج کا رجسٹر کھول کر دیکھ سکتا ہے، ایک ششماہی یا سالانہ امتحان میں مولانا عبدالمعید بنارسی رحمہ اللہ نے بھانپ لیا اور نگراں اساتذہ سے کہا: ابوالقاسم اور عبیداللہ آمنے سامنے نہ بیٹھنے پائیں، میں مولانا سے ذرا بے تکلف تھا، پرچہ دینے کے بعد ان سے پوچھا: ''مولانا آپ جانتے ہیں کہ ہم دونوں کو پوچھنے کی اور نہ نقل کرنے کی ضرورت ہے، پھر آپ نے ہم دونوں سے ایسا کیوں کہا؟'' وہ ذرا ناک سے بولتے تھے، مسکرا کر کہنے لگے: ''بچو! ہم تمہارے استاد ہیں تم لوگ ڈال ڈال تو ہم پات پات''۔

ان کے تلامذہ نے تو انھیں اس وقت دیکھا ہے، جب زندگی نے ڈھلان کا رخ کر لیا تھا، تاہم شباب کی رعنائیوں کے نقوش تابندہ تھے، دبلے پتلے، لمبے قد اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے، طالب علمی کے دور میں لمبے بال اور فرنچ کٹ داڑھی رکھتے تھے، فراغت کے بعد آپ نے پوری داڑھی رکھ لی لیکن صرف اس قدر کہ مشت میں نہ سما سکے، سر پر ہمیشہ سلیقے سے مخصوص مدن پوریا ٹوپی پہنتے، جس میں لمبے بال چھپ جاتے، اس ٹوپی کا تعلق مدن پورہ کی خاص تہذیب سے ہے، اب تو جالی والی سعودی ٹوپی کا زیادہ چلن ہو گیا، لیکن اس ٹوپی کے قدردانوں کی کمی اب بھی نہیں ہے، عبیداللہ ہمیشہ یہی ٹوپی استعمال کرتے تھے، ہمارے وقتوں میں عام طور پر مقامی طلبہ کا لباس سفید مدراسی لنگی، قمیض اور سفید ٹوپی ہوتا۔ وہ عام طلبہ میں کم ہی گھلا ملا کرتے، عبیداللہ بھی صرف اپنی جماعت کے لڑکوں سے بے تکلف تھے، ان کے دوستوں کا حلقہ بھی محدود تھا، ۱۹۷۳ء میں ہم لوگوں کی فراغت ہوئی، ہماری جماعت سے عبیداللہ، عبدالرحمان اور مفضل کا داخلہ مدینہ یونیورسٹی میں ہو گیا، حکیم عبدالحنان رسول پوری فضیلت اول میں صرف چند ماہ پڑھے، انھوں نے علی گڈھ طبیہ کالج میں داخلہ لے لیا، بقیہ فارغین کاروبار دنیا میں مصروف ہو گئے، عربی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے آگے بڑھنے کی راہیں محدود رہتی ہیں، مواقع ملے تو مدینہ یا کسی ہندوستانی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیں ورنہ کسی مدرسہ کا دامن تھام لیں یا مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیں، بعد میں ہمارے ساتھیوں میں احمد مجتبیٰ اور عبدالرشید بھی مدینہ پہنچ گئے، اقبال احمد مدرسہ عالیہ مئو کے مدرس بن گئے بڑے باصلاحیت تھے اللہ نے جوانی ہی میں اپنے پاس بلالیا، بنگالی ساتھیوں میں محمد یحییٰ مالدہی بھی مرحوم ہو چکے ہیں، عبداللہ دیناج پوری اور نیازالدین اپنے علاقوں کے مدرسوں کے ذریعے دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، گونڈہ بستی کے ساتھیوں میں مقصود احمد اور معین الدین بھی مدرسوں سے وابستہ ہیں، عبدالحنان لٹیاوی لکھنؤ میں سکونت پذیر ہیں اور گروسری کے کاروباری ہیں۔

وقت وقت کی بات ہے جو ساتھی آٹھ یا چھ سال تک ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہے وہ ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی

طرح بکھر گئے سچ کہا احمد مشتاق نے:

اِک زمانہ تھا کہ سب ایک جگہ رہتے تھے
اور اب کوئی کہیں کوئی کہیں رہتا ہے

برسہا برس کی رفاقتیں خواب وخیال بن گئیں نہ بزم طرب کی مستیاں رہیں نہ شہرنگاراں کی اٹھکیلیاں نہ ہم نفسوں کی شوخیاں نہ عنادل کی زمزمہ سنجیاں نہ عیش ونشاط کی محفلیں نہ وہ صدائے دل نوازی نہ وہ ادائے دل بری۔

نہ وہ احباب نہ وہ لوگ، نہ وہ بزم طرب
صبح دم وہ اثر جلسہ شب کچھ بھی نہیں

کارزار حیات میں کودے تو ہر ساتھی اپنے مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں اس قدر مصروف ہو گیا کہ ایک دوسرے کی خبر لینے کی سدھ ہی نہ رہی، عبیداللہ ۱۹۷۴ء کے اختتام تک مدینہ پہنچے، وہاں سے لیسانس کیا غالباً ۱۹۷۹ء میں ایم اے کے لیے جامعہ ام القری میں رجسٹریشن کرایا، مشرف شیخ سید سابق بر بری تھے، چار سال تک جم کرمحنت کی، علوم حدیث خصوصاً تخریج اور تحقیق سے دلچسپی تھی، اسی میں اختصاص پیدا کیا، ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں ایم اے کی سند مل گئی مقالہ کا موضوع تھا مسند امام احمد بن حنبل سے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مرویات کی تخریج، تحقیق، دراسہ اور شرح، مقالہ دو جلدوں میں تقریباً آٹھ نوسو صفحات پر مشتمل ہے، ظاہر ہے اس کے بعد دکتوراہ کا نمبر آیا ہوگا، ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۸ء تک یعنی چودہ سال کی مدت آپ کو دکتوراہ کے لیے ملی لیکن افسوس کہ اس کی تکمیل نہ کر سکے، یقیناً اسباب وعوائق رہے ہوں گے، جن کے بارے میں آپ نے نہ کبھی بتایا اور نہ کبھی خیال ہی ہوا کہ پوچھتے کہ چودہ سالوں میں آپ کا مقالہ مکمل کیوں نہیں ہوا، ان کے معاصرین میں اس وقت مکہ میں ڈاکٹر حافظ عبد العزیز مبارک پوری، ڈاکٹر اختر جمال بنارسی، ڈاکٹر جاوید اعظم، ڈاکٹر عبدالوہاب صدیقی ان سے جونیر میں عزیر شمس وغیرہ تھے، ممکن ہے ان لوگوں کو خبر ہو۔

بیس پچیس سال کا یہ زمانہ وہ تھا، جب ہم سب کے روابط ٹوٹ چکے تھے، ہم میں سے ہر شخص ذمہ داریوں کا ایک بوجھ کاندھوں پر لادے تھا، ہماری شادیاں ہو چکیں تھیں، افزائش نسل کا سلسلہ بھی جاری تھا، اللہ کا فضل وکرم تھا اور ہم کچھ ایسے قناعت پسند بھی نہیں تھے، اللہ اولاد کی نعمت دے رہا تھا ہم اس کے شکر گزار ہو رہے تھے، نویں دہائی کے نصف گزرنے تک ہم دونوں سات بچوں کے باپ بن چکے تھے، عبیداللہ کو سات بیٹیاں تھیں، اولاد نرینہ کا انھیں ہمیشہ قلق تھا، اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے، دوسری شادی کے بعد اللہ نے یہ کمی دوسرے ذریعے سے پوری کردی، میرے چار بیٹے تین بیٹیاں تھیں، ظاہر ہے کہ بچوں کی پرورش و پرداخت، تعلیم وتربیت، شادی بیاہ اور ذرائع معاش کے لیے جد جہد یہ ایسے مسئلے تھے جو سر اٹھانے کا موقع کم ہی دیتے تھے۔ ہم دونوں کی دنیا الگ تھی اور ہم اس میں مگن تھے، کبھی تعطیل میں عبیداللہ کا بنارس آنا ہوتا تو وہ اپنے ذاتی کاموں میں مصروف ہوتے، مل بیٹھنے کے مواقع کم ہی ملتے، کبھی برسر راہ ملاقات ہوگئی تو آدھ گھنٹہ بیس منٹ ایک دوسرے کی خیر خیریت لے لیتے، پردیس میں رہتے ہوئے ایک بڑا کام انھوں نے یہ کیا کہ اپنا چار منزلہ پختہ خوبصورت مکان بنوالیا۔

وقت پر لگا کر اڑتا رہا ہم جوان سے بوڑھے ہونے لگے، پہلے کنپٹی کے بال سفید ہوئے پھر داڑھی کھچڑی ہوئی، عبیداللہ نے تقریباً چوبیس سال کا عرصہ سعودیہ میں گزارا، ان کی بچیوں کی پیدائش اور ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوئی، ظاہر ہے ہندوستانی اور سعودی رہن سہن میں بڑا فرق ہے، وہ آسائشیں ہندوستان میں کہاں مل سکتی ہیں جو سعودیہ میں ملتی ہیں اور اگر مکہ مکرمہ میں رہنے کو مل جائے تو کیا کہنا، حرم شریف کی مجاورت قسمت والوں کو ملتی ہے عبیداللہ کو اللہ نے اس نعمت سے نوازا تھا، وہاں سے رخصت ہونے کا کس مسلمان کا دل چاہے گا، عبیداللہ تو عالم دین تھے، بحیثیت طالب علم وہاں کی مشہور یونیورسٹی سے منسلک تھے، وہاں رہ کر خوب خوب علمی استفادہ کیا، تحقیق وتخریج کو ذریعہ معاش بھی بنایا، یہ نہیں معلوم کہ کوئی ملازمت کی تھی کہ نہیں، بہر حال اسکالرشپ کے ساتھ اتنی یافت ہوجاتی تھی کہ فراخی کے ساتھ گزربسر ہورہی تھی۔

بالآخر ۱۹۹۸ء میں بچوں کو لے کر انھیں مستقل طور سے وطن مراجعت کرنا پڑی بے کار تو بیٹھ نہیں سکتے تھے، نئے سرے سے میدان عمل میں اترنا پڑا، اس وقت وہ پچاس کے لپیٹے میں تھے، ذہین اور طباع تھے، ان کی صلاحیتوں کے چرچے پہلے سے تھے، جامعہ سلفیہ میں تقرری کے لیے کوئی زیادہ دشواری نہیں ہوئی، وہ خود لائق مند استاد تھے، بہترین خطیب تھے، جامعہ سلفیہ کے قیام میں ان کے والد مولانا حافظ ابوالقاسم بنارسی اور بڑے بھائی مولانا عبدالوحید رحمانی سابق شیخ الجامعۃ السّلفیہ کا بھی کردار تھا، جامعہ نے انھیں خوش آمدید کہا وہ جامعہ کے استاد بن گئے، شیخ الجامعہ کا ۱۹۹۷ء میں انتقال ہوچکا تھا، ان کی جگہ پر جامع مسجد اہل حدیث طیب شاہ کے خطیب ہونے کا بھی انھیں اعزاز حاصل ہوگیا، شیخ الجامعہ رحمہ اللہ کے بعد ان کی تقریر سامعین بہت زیادہ پسند کرتے تھے، تقریر میں نہ راگ تھا نہ ترنم ہزار، دھیمے دھیمے انداز میں ٹھہر ٹھہر کر بولتے، جو موضوع اٹھاتے متون اور نصوص سے مزین کرتے، پوری تقریر موضوع کے دائرے میں رہتی، اگر کوئی شخص ٹیپ کرتا تو مضمون اس طرح مکمل ہوتا کہ رد وبدل اور تصحیح کی گنجائش کم ہی رہتی زبان و بیان کی دل نشینی ایسی تھی کہ باتیں سیدھے دل میں اتر جائے، اپنے اس فن کو انھوں نے مدن پورہ کی مساجد اور سلفیہ ہی تک محدود رکھا تھا، جلسہ جلوس کے آدمی نہیں تھے شہرت اور ریا ونمود سے بیزاری ان کے مزاج میں تھی، شائد و باید انھوں نے اجلاس وغیرہ کو خطاب کیا ہو، ایک بار میں زبردستی ان کو پریوا نرائن پور کے جلسے میں گھسیٹ لے گیا تھا، ڈیڑھ گھنٹہ کی ان کی تقریر ایسی تھی کہ عام زبان میں یہ کہیں کہ انھوں نے مجمع لوٹ لیا تھا تو غلط نہ ہوگا۔

جامعہ سلفیہ میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا تو یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ ان کی آمد نئی ہے، حدیث، علوم حدیث اور ادب کی کتابوں کا درس اس طرح دینے لگے جیسے مدتوں سے درس وتدریس ہی ان کا میدان عمل ہو، چند ماہ ہی میں طلبہ میں مقبولیت حاصل کر لی، اصول پسند تھے وقت پر کلاس میں داخل ہوتے اور گھنٹی لگتے ہی باہر نکل آتے، اساتذہ اور طلبہ سے رسم وراہ کی حد متعین کیے ہوئے تھے، ہاں غرفۃ الاستراحہ میں ناشتہ کے وقت پابندی سے بیٹھتے اور بے تکلف ہوکر اساتذہ کی محفل میں شریک ہوتے، مجلّہ

حائطیہ اور سالانہ میگزین المنار کی نگرانی کی ذمہ داری انھیں دی گئی تو بحسن وخوبی اپنی ذمہ داری ادا کی، خوشبو اور عطور کا شوق انھیں ورثے میں ملا تھا، سنا ہے کہ ان کے دادا جنھیں سب رفیق چا کہتے تھے وہ عطر کے بہت شوقین تھے، بڑے بھائی شیخ الجامعہ چلتے تو لباس سے خوشبو پھوٹتی ، غرفۃ الاستراحہ میں ان کی الماری میں عطر کی پچاسوں شیشیاں سلیقے سے رکھی رہتیں، یہی حال ان کے گھر کے کمرے کا تھا، ہر گھنٹی کے بعد وہ الماری کھولتے ، کمرہ مہک اٹھتا، ایک پھاہا استعمال کرتے اور اگلی گھنٹی پڑھانے کے لیے نکل کھڑے ہوتے،، خوش لباسی ایسی تھی کہ مجال ہے استری کیے ہوئے کپڑے میں معمولی سی شکن پڑ جائے، خوشبو سے ان کے لگاؤ کے بارے میں لڑکوں کو بھی خبر تھی، مقالہ کی تکمیل کے بعد طلبہ اس کی خوب صورت سی جلد بندی کراتے اور مقالہ کو پرفیوم سے غسل دلاکر استاد کو پیش کرتے تو وہ بے حد خوش ہوتے، نمبرات بھی وہ بھرپور دیتے، تقریبا بائیس سال تک وہ جامعہ سے وابستہ رہے، اس دوران مجھے یاد نہیں ہے کہ کبھی کسی کی غیبت یا شکایت کی ہو یا کسی استاد پر کوئی تبصرہ کیا ہو، ایک بار ناظم مولانا عبد اللہ سعود کے ساتھ آپ نے کویت کا بھی سفر کیا، سعودیہ سے واپسی کے بعد غالبا ایک بار بغرض عمرہ مکہ مکرمہ گئے۔

۲۰۰۷ء میں آپ کی شریک حیات کا انتقال ہوگیا، یہ آپ کے لیے اور آپ کے بچوں کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا، ہفتوں آپ نڈھال رہے، غم کی شدت میں کمی ہوئی تو مجھ سے انھوں نے کہا یار جانے والی تو چلی گئیں، بڑی بڑی بچیاں ہیں، گھر کی نگرانی میرے اکیلے کے بس کی نہیں ہے، ان کے منشا کو سمجھ کر میں نے کہا : صحیح کہہ رہے ہو گھر میں کسی بزرگ خاتون کا رہنا ضروری ہے ایسا کرو کہ شادی کرلو، کہنے لگے یار میں خود سے تلاش کروں اچھا نہیں لگتا، مدن پورہ میں تمھارے کافی تعلقات ہیں ذرا تم ہی دیکھو، میں نے مولانا علی حسین کا نام لیا کہ ان سے کہا جائے مقامی طور پر گھروں میں ان کی آمد ورفت رہتی ہے، بات آئی گئی، میں خود اپنی اہلیہ کے علاج میں الجھا ہوا تھا، دلی میں تھا کہ کسی نے فون پر بتایا کہ عبید اللہ نے اہلیہ کے انتقال کے چالیسویں دن مدن پورہ ہی کے کسی گھرانے میں ایک شریف مطلقہ خاتون سے نکاح کرلیا، یہ ایک اچھا فیصلہ تھا، مزید بہتر یہ ہوا کہ ان کی بچیوں نے نئی ماں کو قبول کرلیا تھا، ان کی نئی اہلیہ کے پہلے شوہر سے دو بچے تھے، بڑے بچے ضمیر کو عبید اللہ نے اپنے پاس رکھ لیا، اسے باپ کی محبت اور شفقت دی، اس کو اچھی تعلیم وتربیت دی ماشاء اللہ ضمیر نے جامعہ سلفیہ سے فضیلت کی ڈگری لی، انھیں بھی خطابت سے دل چسپی ہے اس فیلڈ میں عبید اللہ کی مکمل رہنمائی حاصل تھی ، دوسرا لڑکا بھی بڑا ہوا تو عبید اللہ نے اسے بھی اپنے پاس رکھ لیا، دونوں بچوں نے کاروبار میں خوب ترقی کی، سگی اولاد کی طرح دونوں نے عبید اللہ کی خدمت گزاری کی، ان کی دوا علاج میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی، ۲۰۱۴ء میں انھیں دل کا دورہ پڑا، جسمانی طور پر وہ پہلے بھی بہت زیادہ صحت مند نہیں تھے، پڑھنے کے زمانے میں پوری گرمی وہ مزکوم رہتے، ناک سے پانی بہتا رہتا، رومال کے علاوہ کپڑے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے رکھے رہتے جن سے ٹسو پیپر کا کام لیتے، معدہ بھی کمزور تھا، مرچ مسالے والی چیزوں سے ہمیشہ دور بھاگتے،

بی ایچ یو میں ان کے دل کا آپریشن ہوا، اس کے بعد بیماری اور کمزوریوں نے جیسے گھر دیکھ لیا، ۲۰۱۸ء تک مستعدی سے پڑھاتے رہے، اس کے بعد کچھ نہ کچھ لگا ہی رہا، بچے کافی خوش حال ہوگئے تھے، ان کا دباؤ بھی تھا کہ اب آپ آرام کریں ۲۰۲۰ء سے خود کو تدریس سے علاحدہ کرلیا، یہ لاک ڈاؤن کا زمانہ تھا، زیادہ چلنا پھرنا بھی بند کردیا، ہمت پڑتی تو کبھی کبھار مسجد چلے جاتے، غالبا گذشتہ سال ضمیر میدانتا دلی لے کر گئے، دلی کے کئی ایک شاگرد مل گئے جنھوں نے بڑے ڈاکٹر کو دکھایا، دل کا کوئی مسئلہ نہیں تھا، لوٹ کر آئے تو خود کو فٹ محسوس کیا، وفات سے قبل مولانا یونس صاحب مدنی کے پوتے کے عقیقہ کی تقریب میں شریک ہوئے ان سے جمعہ پڑھانے کا وعدہ بھی کیا لیکن وقت موعود آن پہنچا تھا، اچانک بخار آیا، لرزہ طاری ہوا، بیماری زیادہ بڑھی تو لڑکوں نے اوریانا ہاسپٹل رویندر پوری کالونی میں ایڈمٹ کردیا، شفا کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو ایمبولینس سے لکھنو میدانتا ہاسپٹل لے گئے، چارہ گری کی ہر صورت موت کے سامنے بے بس ہوچکی تھی، ہسپتال ہی میں ۲۱/ فروری بروز بدھ بوقت تقریبا سوا چھے بجے صبح اس جہان فانی سے رخصت ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون، اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وادخلہ برحمتک فی عبادک الصالحین، آمین، پس ماندگان میں سات بیٹیاں، اہلیہ اور دو ربیب ہیں، عبید اللہ پانچ بھائی تھے سب سے بڑے شیخ الجامعہ رحمہ اللہ تھے، عبید اللہ چوتھے نمبر پر تھے ان سے چھوٹے ان کے ایک بھائی ہیں، بہنیں غالبا تین تھیں۔

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۲۸)

رشتہ داروں کو دینا:

قریبی رشتہ داروں کو جن کا نان ونفقہ اس پر واجب نہیں ہے صدقۃ الفطر دینا جائز ہے، بلکہ علماء نے اسے دوسروں کو دینے سے ان کو دینا اولی بتایا ہے، کیونکہ دوسروں کو دینا صرف صدقہ ہوگا جبکہ قریبی رشتہ داروں کو دینا صدقہ کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ صلہ رحمی بھی ہے، جیسا کہ سلمان بن عامر الضبی کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "الصَّدقةُ على المسْكينِ صدقةٌ، وعلى ذي القرابةِ اثنتان: صدقةٌ وصلةٌ". مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے جبکہ رشتہ داروں کو دینا صدقہ اور صلہ رحمی دونوں ہے۔ (سنن الترمذی/658، سنن ابن ماجہ/1844، مسند احمد/16279، شیخ البانی نے صحیح سنن ابن ماجہ کے اندر "صحیح لغیرہ" قرار دیا ہے۔) ۔البتہ یہ خیال رہے کہ ایسا نہ ہو کہ صرف رشتہ داروں کو ہی دینے کے چکر میں دیگر آس پاس کے مساکین کو بھول جائیں۔

اللہ رب العزت ہمارے اعمال کو قبول فرمائے، اور مزید نیکیوں کی توفیق بخشے۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ وسلم۔ آمین۔

☆☆☆

فارغین مدارس کے لئے چند نصیحتیں

از شیخ عبیداللہ طیب مکی رحمہ اللہ

ترجمہ و تلخیص: ضمیر احمد سلفی

الحمد للّه الذي اختار لنا الإسلام ديناً، وجعل السعيد من وقف عند حدوده وتأدب بآدابه، والصلاة والسلام على سيد المرسلين نبينا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

ایک قیمتی و جوہری نصیحت والد محترم استاذ حدیث وعلوم حدیث فضیلۃ الشیخ عبیداللہ طیب مکی رحمہ اللہ کی۔ اللہ آپ کو اپنی وسیع رحمت میں ڈھانپ لے۔

مطبوعہ: بزبان عربی، بساط بزم یاراں ڈائری، جامعہ سلفیہ بنارس ۲۰۰۸ء

(۱) تمام قسم کی تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اسلام کو ہمارا دین بنایا اور سعادت و سرخ روئی اس کے لئے مقدر فرمادی جو اس کے حدود پر ٹھہر جائے اور اس سے آگے نہ بڑھے اور اسلامی آداب کے زیور سے آراستہ ہو جائے اور اللہ کی رحمت و درود و سلام نازل ہو تمام رسولوں کے سردار ہمارے نبی ﷺ پر، آپ کی آل اور تمام صحابہ پر اور ان پر بھی جو تا قیامت احسان کے ساتھ ان کے نقش قدم کی پیروی کریں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے تمام خلائق کو محض اپنی عبادت واطاعت کے لئے پیدا کیا تاکہ سب یکسوئی کے ساتھ اس کی بندگی میں لگ جائیں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ ٹھہرائیں اور یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ پوری انسانیت اس بات سے عاجز ہے کہ وہ اپنے لئے کوئی نفع کھینچ لائے یا اپنے اوپر سے کوئی نقصان ہٹا پائے اور یہ بھی جان لیں کہ ان کی عقلیں، تمام صلاح ورشد وہدایت کے راستوں کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق وہدایت اور اس کی مدد وعنایت شامل حال نہ ہو۔

(۳) دلوں کے لئے کوئی سرور نہیں اور سینوں میں اس وقت تک کوئی انشراح پیدا نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ سچی عبادت میں نہ لگ جائیں اور اللہ کی محبت میں اخلاص نہ پیدا کر لیں اور پوری طرح عاجزی وانکساری سے اس کے سامنے جھک نہ جائیں اور اللہ کے سوا کے اپنی نظر کو ہر طرف سے پھیر نہ لیں۔ ایک پکے مومن کے دل کے خیالات اور اس کے ضمیر کے افکار، اپنے رب سے مربوط ہوتے ہیں اور وہ اوامر کی بجا آوری اور منہیات سے گریز کرتے ہیں، وہ اسی کو حلال سمجھتے ہیں جو اللہ جل شانہ نے حلال کیا اور اسی کو حرام سمجھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا، وہ شرعی حدود وقیود اور پابندیوں پہ ٹھہرے رہتے ہیں، حد سے گزرتے نہیں ہیں، وہ سیدھے، اہم اور اعلیٰ ہوتے ہیں۔

(۴) اور دنیا سے رشتہ اور تعلق جوڑنے میں غلو کرنا، حد سے زیادہ دنیا ومافیہا میں ڈوب کر سرشار ہونا، یہ چیز انسان کو دنیا کا غلام اور دنیا کا بندہ بنا دیتی ہے اور اس سے اس کی توحید بھی

متاثر ہوتی ہے اور پھر نتیجتاً وہ صحیح مطلوب ڈھنگ یعنی اخلاص سے عبادت انجام نہیں دے پاتا اور ساتھ ہی ساتھ اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ وہ خواہشات اور دنیاوی لذتوں میں اتنا ڈوب جاتا ہے کہ جب جب اس کو اس کی مرضی کے مطابق ملتا ہے تبھی راضی ہوتا ہے اور جب منشا ومراد اور مقصد کے خلاف پاتا ہے تو اللہ کے فیصلے اور تقدیر پر غصہ وناراضگی جتاتا ہے، تو حقیقی بندگی صرف اور صرف دل سے ہی ہوسکتی ہے اور اللہ کا حقیقی بندہ جب اس کو مقصد حاصل ہو تب بھی راضی رہتا ہے اور جب مراد تک رسائی نہ ہو تب بھی اللہ سے خوش اور رضامندی کا اظہار کرتا ہے اور اس کو بھی وہ ناگوار گزرتا ہے جو اس کے رب کو ناپسند ہوتا ہے، الغرض اللہ کی رضا ہی میں اس کی رضا اور اللہ کی ناراضگی کے کاموں میں اس کی ناراضگی ہوتی ہے۔

(۵) یقیناً مسلمان تب تک اپنے مقصد میں کامیاب وسرخرو ہوتے رہے جب جب ان کا ایمان وعقیدہ اس دین سے جڑا ہوا اور مضبوط رہا، تب ان کے معاملات منظم ہوئے اور ان کی صف میں وحدت واتحاد پیدا ہوا اور ان کی ریاست وسلطنت ناقابل تسخیر ہوگئی جس کو دشمن کی کوئی طاقت زیر نہیں کر سکتی تھی اور اسلامی تاریخ اس پر بہترین گواہ ہے اور اب اگر یہ امت اپنی غفلت سے جاگنا چاہتی ہے اور اپنی سیادت وقیادت کی طرف واپس رخ پھیرنا چاہتی ہے تو اسے پھر ضرور اپنے رب کی طرف لوٹنا اور پلٹنا پڑے گا کیونکہ روشن شاہراہ دین الٰہی واضح بھی ہے اور مضبوط بھی۔

(۶) اسلام ہی اس امت کی سرحد ہے لہٰذا اسی کو مضبوطی سے تھامنا ضروری ہے اور یاد رکھیں امام مالک کا یہ قول کہ اس امت کے آخری لوگ اسی عقیدے اور دین کو اپنا کر درستگی اور صلاح وفلاح حاصل کر سکتے ہیں جس کو اپنا کر امت کا پہلا طبقہ اور جماعت کامیاب ودرست ہوئی تھی۔

(۷) اور ایمان کے تقاضے سے یہ بھی متعلق ہے کہ ہر نفس اپنی ایک حد پہچانے جس سے وہ آگے نہ بڑھے اور خواہشات کے پیچھے بھاگنا اور شیطان کا قیدی بن جانا، یہ نہ تو لائق ستائش ہوگا اور نہ ہی حق کی طرف لوٹانے والا ہوگا۔

(۸) اور خوب جان رکھو کہ مضبوط اسلام کا قلعہ: امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا ہے اور ایسی ڈھال ہے جو دنیا کی مشقتوں اور فتنوں سے بچا لینے والی ہے اور گناہوں اور مصیبتوں سے چھٹکارا دلانے والی ہے جو اہل اسلام کا دفاع کرتی ہے شیطانی خطوات اور حملوں سے اور باطل پرستوں کی دعوت سے اور جب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی دعوت عام ہوگی تب بدعت سنت سے ممتاز ہو جائے گی اور حلال وحرام واضح ہو جائے گا اور لوگ واجب، مسنون، مباح اور مکروہ خوب جان لیں گے اور نسلیں بھلائی پہ پروان چڑھیں گی اور اس کی محبت میں ڈوب جائیں گی اور منکر اور خلاف قانون الٰہی امور سے دور اور اپنے دامن کو سمیٹ لیں گی۔

(۹) تو اے میرے عزیزو! اللہ کی طرف دعوت دینے والے، اس کی توحید کو لوگوں کے سینوں میں جگانے والے بن جاؤ اور تمام مخلوق خدا کو سیدھے راستے کی رہنمائی کرنے والے بن جاؤ، اس لئے کہ یہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کا وظیفہ رہا ہے، اس لئے کہ اس دار فانی میں انسانی عقلیں اپنی مصلحتوں اور منافع کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ انسانی عقلیں جذبات وشہوات سے مغلوب ہونے کا شکار ہوتی ہیں اور اسی سے متعلق انسانی برائیوں سے بھی مغلوب

ہونے کا شکار ہوتی ہیں، لہٰذا انسان کو شدید ضرورت ہے اس ہدایت کی جو بذات خود مصلحتی امور سے پر ہو اور خیر خواہ دعاۃ ماشاء اللہ اس ہدایت سے اپنی دنیا اور آخرت سنوار نے کو خوب جانتے ہیں اور وہ تمام لوگوں کو اسی ہدایت کی طرف بلاتے رہتے ہیں جس میں خیر و بھلائی اور سعادت ہے۔

(۱۰) اور آج امت مسلمہ جس پسپائی اور بدحالی کا شکار ہے وہ صرف اور صرف اللہ کی اطاعت اور توحید میں بے حد کوتاہی برتنے کی وجہ سے ہے اور اتنا زیادہ سستی اور کاہلی اور باہم ایک دوسرے کو نصیحت کرنے میں تساہلی کا مظاہرہ سامنے آرہا ہے اور مسلمانوں کے آپسی دینی ودنیاوی امور کے اختلاف کو کتاب وسنت پر پیش نہ کرنے کی مہلک عادت پیدا ہوگئی ہے، یہاں تک کہ دل شرم وحیاء اور دین کے احترام سے خالی ہو چکے ہیں اور انسان کا اپنے نفوس پر کوئی اثر باقی نہیں رہا، بلکہ ہر انسان اپنی اہواء اور شہوات کا غلام بن چکا ہے۔

(۱۱) پس ضروری ہے انسان کے لئے خصوصاً طلبہ اور علماء مستقبل کے لئے، کہ وہ من جملہ اعمال سے اشرف ترین اور افضل ترین اعمال میں مشغول ہو جائیں اس لئے کہ وقت سونے سے زیادہ قیمتی ہے، تو گزرے ہوئے اوقات سے جو خیر ومنافع ہمارے سامنے لوٹ کے آئیں تو سونے پہ سہاگا اور اگر اس کے برعکس ہو تو حسرت وندامت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

تو اے انسان- اللہ تجھ پر رحم کرے- اپنی قیمتی زندگی کو غنیمت جانو اور اپنے عمدہ اوقات کی قدر کرلو اور خوب جان رکھو کہ تمہاری زندگی محدود اور چند روزہ ہے اور تمہاری سانسیں گنی چنی ہیں، تو ہر سانس آپ کی اس محدود زندگی سے آپ کا حصہ کم کر دیتی ہے اور عمر نہایت ہی مختصر اور تھوڑی ہے اور جو باقی ہے وہ بھی بہت کم ہے اور تمہاری زندگی کا ہر حصہ ایک قیمتی جوہر ہے، جس کے مثل کوئی چیز نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی نعم البدل ہے، اس لئے کہ یہی فانی زندگی کے عوض آپ کو ہمیشگی والی نعمتوں والی جنت یا تو حاصل ہوگی، یا پھر دردناک عذاب حاصل ہوگا، تو اے انسان! اپنی زندگی کے قیمتی جواہر کے بغیر عمل کو ضائع نہ کر اور بغیر عوض جنت کے اسے یہاں ہی رائیگاں نہ جانے دے اور تگ ودو وجدوجہد میں لگ جا کہ تیری سانسوں میں سے کوئی سانس اطاعت کے کاموں سے خالی نہ گزرے، یا ان وظائف سے خالی نہ جائیں جو تقرب الٰہی کا سبب ہیں۔

(۱۲) تو اے انسان! عقل مند وہی ہے جو سبقت لے جائے ان کاموں کے کرنے میں جس سے وہ اپنے نفس کو ہلاکت وبربادی سے خلاصی اور چھٹکارا دلا سکے اور اس کو پابندیوں اور جال سے آزاد کرا سکے اور دنیا اور اس کی لذتوں میں بھروسہ کرکے اس کے سہارے بیٹھ نہ جائے اور وہ دنیا کے تخیلات اور اس کے چھلکوں میں زندگی نہ گزارے، کیونکہ یہ سب کچھ سوائے اژدہے کے زہر کے اور کچھ بھی نہیں۔

قال الشاعر:

فمن هجر اللذات نال المنى

ومن أكب على اللذات عض على اليد

شاعر نے کہا:

جو دنیاوی لذتوں کو چھوڑ دے وہ منزل ومراد تک پہنچ جائے گا اور جو ان دنیاوی لذتوں کے پیچھے اوندھے منہ گر جائے وہ اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا۔

(عربی سے اردو ترجمہ)

☆☆☆

استاد گرامی مولانا عبداللہ فیضی رحمہ اللہ، ایک ممتاز علمی وعملی شخصیت

سمیع اللہ تیمی

استاد گرامی تو تھے نیپال کے لیکن ان کا شمار مغربی چمپارن، بہار، کے ان مایہ ناز اور نامور علماء میں ہوتا ہے جنکی مخلصانہ تدریسی کاوشوں کی بدولت منظر العلوم بلی رام پور کا تعلیمی معیار بلند ہوا۔ جس کے سبب اس کو علاقے کے معیاری مدرسوں کی صف اول میں جگہ ملی، اور متعدد اضلاع سے طالبان علوم نبویہ نے اس منظر علوم نبویہ کا پروانہ وار رخ کیا، اور اس کے فیضان سے فیضیاب ہوکر ملک وبیرون ملک دعوتی، تدریسی اور تنظیمی مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔

استاد گرامی کی ابتدائی تعلیم صاحب دیوان گلشن مولانا عبدالکریم مسلم کے نواسے مولانا منظر الحق رحمہما اللہ کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ منظر العلوم بلی رام پور میں ہوئی، اور اعلی تعلیم جامعہ فیض عام مئو، یوپی میں ہوئی۔ آپ جن دنوں منظر العلوم میں زیر تعلیم تھے مدرسہ کے صدر مدرس مولانا نجم الہدی انجم سعیدی، جھمکاوی تھے، اور موقر مدرس مولانا نذیر عالم بسنت پوری اور مولانا ریاض احمد سعیدی، جھمکاوی تھے۔ اول الذکر شیخ الحدیث مولانا احمد مجتبی مدنی کے والد گرامی تھے جو ایک متحمس اور باغیرت اہلحدیث عالم تھے، اور ثانی الذکر استاذ الاساتذہ مولانا نیاز احمد فیضی رحمہ اللہ کے والد گرامی تھے۔ یہ دونوں منظر العلوم کے بانی مدرس اور بانی مدرسہ مولانا منظر الحق رحمہ اللہ کے دست راست و معتمد خاص تھے اور کسی بھی عالم کا مولانا منظر الحق بلیراپوری کا دست راست ومعتمد خاص ہونا اس کے فضل وکمال کی معراج ہے۔

مولانا نیاز احمد فیضی رحمہ اللہ، بانی مدرسہ منظر العلو پرسہ 'A' کے بقول:

استاد گرامی، فطری طور پر انتہائی ذہین وفطین اور محنتی طالب علم تھے۔ انہوں نے منظر العلوم میں وسطانیہ چہارم تک تعلیم حاصل کی اور جب تک یہاں رہے، اپنے درجہ میں اول آتے رہے اور بقول مولانا بدیع الزماں سراجی حفظہ اللہ، پرنسپل دوم منظر العلوم پرسہ A،، مدرسہ منظر العلوم بلی رام پور کے بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے الحاق کے بعد وسطانیہ کا امتحان دینے والے آپ پہلے طالب علم تھے اور اس امتحان کا سینٹر ڈھاکہ پڑا تھا۔ وسطانیہ کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ مئو، یوپی، پہنچے اور وہاں کی سب سے معروف دانشگاہ، فیض عام میں داخلہ لیا، جہاں آپ نے مسلسل فضیلت تک اساطین علم و فن سے اکتساب فیض کیا، اس عظیم دانش کدہ میں بھی اپنے درجہ کے تمام طلبہ پر فائق رہے۔ بلبل چمپارن مولانا محمد یاسین اثری صاحب بیان کرتے ہیں کہ مولانا عبداللہ صاحب فیضی دور طالب علمی میں بھی سنجیدہ اور مستقل مزاج تھے، داخلہ کے بعد سے دورۂ حدیث تک کسی دوسرے ادارہ کا رخ نہیں کیا جبکہ ان کے کئی ایک چمپارنی ساتھی فیض عام چھوڑ کر دوسرے اداروں میں

چلے گئے، یا چکر لگا کر فیض عام واپس آئے اور مولانا عبداللہ فیضی کی ہی سفارش پر شیخ الجامعہ نے انکا دوبارہ داخلہ لیا۔ چونکہ آپ بہت ذہین اور جامعہ کے ممتاز طالب علم تھے اس لئے شیخ الجامعہ آپ کی ہر جائز سفارش کی قدر کرتے تھے۔ عموماً ہر کتاب میں پنچانوے سے اوپر نمبرات حاصل کرتے، بلکہ قاری عبدالسبحان صاحب اپنی کتابوں میں سو نمبر بھی دینے پر مجبور ہوتے تھے، بعض اساتذہ نے قاری صاحب پر اعتراض کیا۔ تو انہوں نے برجستہ جواب دیا میں حق تلفی کا مرتکب نہیں ہوسکتا"۔

فراغت کے بعد آپ نے تدریسی مشغلہ کو ترجیح دی، اور اس کے لئے ابتدائی مادر علمی، مدرسہ منظر العلوم بلی رام پور، مغربی چمپارن بہار، کا انتخاب فرمایا۔ آپ کی تقرری 1974 م میں مولانا عبدالغفور اصلاحی صاحب کی خالی شدہ جگہ پر عمل میں آئی، اس وقت شیخ احمد مجتبیٰ مدنی صاحب حفظہ اللہ منظر العلوم میں ہی تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔ 7 مئی 1975 م میں منظر العلوم جب ایک انقلابی بحران کا شکار ہوا، اور منظر العلوم کو،،، بلی رام پور گاؤں سے تمام، طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ پرسہ گاؤں (جو مرجدوا ریلوے اسٹیشن سے کوئی ایک کیلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے) میں منتقل کر دیا گیا۔ منظر العلوم تعطل کا شکار ہو گیا۔ اس وقت جن پانچ خوش نصیب ہستیوں نے اس کی نشأۃ ثانیہ کا بیڑا اٹھایا ان کے نام نامی اسم گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱- جناب ماسٹر عبدالرووف صاحب حفظہ اللہ بلیراپوری۔

۲- جناب عبدالمجید رحمہ اللہ بھیڑ یہاروی۔

۳- جناب ڈاکٹر احمد رحمہ اللہ لٹھیاہی۔

۴- جناب شیخ احمد مجتبیٰ مدنی صاحب حفظہ اللہ ابن بانی مدرس مولانا نذیر عالم بسنت پوری۔

۵- مولانا عبداللہ فیضی منظر العلوم کے وجود اور اس کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے شیخ احمد مجتبیٰ مدنی کے ساتھ آپ کی قربانیاں ناقابل فراموش ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ منظر العلوم بلی رام پور کی نشأۃ اولیٰ مولانا منظر الحق رحمہ اللہ کے دست مبارک سے ہوئی تو نشأۃ ثانیہ آپ دونوں کے دست میمون سے ہوئی۔ جناب عبدالمجید صاحب کہتے تھے ابھی جو منظر العلوم نظر آ رہا ہے وہ شیخ احمد مجتبیٰ مدنی اور مولانا عبداللہ صاحب فیضی کی مرہون منت ہے۔

بلاشبہ استاد گرامی ایک کہنہ مشق، مجرب اور صاحب طرز مدرس تھے۔ آپ کا درس پر مغز اور دلنشیں ہوتا تھا۔ عبارت خوانی کے ساتھ ساتھ عبارت کا سلیس ترجمہ اس انداز سے کرتے کہ ہر معیار کا طالب علم اس سے مطمئن ہو جاتا، اور سبق سے متعلق بیشتر مسائل درس ہی میں سمجھ لیتا۔ طلبہ کی ذہن سازی کے لئے دوران تدریس، علمی سوال بھی کرتے تھے۔ علوم صرف ونحو پر آپ کو قدرت حاصل تھی، عبارت فہمی، نحوی وصرفی قواعد کی نکتہ رسی، مصنفین کے فنی اصطلاحات ومحاورات اور نکات ورموز پر عبور حاصل تھا۔

جامعہ ابن تیمیہ سے فراغت کے بعد میں مولانا اسلم سلفی صاحب حفظہ اللہ، گھوڑ پکڑی کے اصرار پر جامعہ امام ابن تیمیہ کی شاخ، مدرسہ العلوم الاسلامیہ، مورل، سیتامڑھی میں بحیثیت مدرس مقرر ہوا، تو مولانا نے تدریس کیلئے میرے ذمہ پنج گنج اور شرح مائۃ عامل لگا دیا، ان کتابوں کی تدریس میں کوئی دقت تو پیش نہیں آئی، البتہ دوران تدریس بین السطور جب جب 'اہ' آ

تا تو کٹیہار کا ایک ذہین طالب علم سوال کرتا شیخ ’اہ‘ کا کیا مطلب ہے؟ میں خاموشی کے ساتھ آگے نکل جاتا، کئی دن کے بعد مجھے یاد آیا کہ استادگرامی مولانا عبداللہ فیضی رحمہ اللہ نحومیر اور ھدایۃ النحو کی تدریس کے دوران اس طرح کے تصنیفی نکات حل کرایا کرتے تھے۔ میں نے جمعرات کے بجائے بدھ کو ہی صدر مدرس شیخ اسلم سلفی صاحب گھوڑ پکڑی سے رخصت اتفاقی لیکر گھر چلا آیا اور جمعرات کی صبح ہی مدرسہ منظر العلوم بلی رام پور پہنچ گیا، دیگر مدرسین چبوترہ پر جنوری کی دھوپ خوری میں محو تھے اور استادگرامی مزدوروں کے ساتھ کام کرانے میں مشغول تھے۔ سلام وجواب سلام کے بعد میں نے پوچھا شیخ! ’اہ‘ کا کیا مطلب ہے۔ شیخ کو معلوم تھا کہ میں مورول میں تدریسی فرائض انجام دے رہا ہوں۔ مسکراتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔ کیا بھول گئے، اہ، ”انتھی“ کا مخفف ہے، جسے مصنفین عموماً بین السطور استعمال کرتے ہیں۔

مدرسہ نعمت العلوم دیولیا نرکٹیا گنج میں تین سال گزارنے کے بعد میں نے 1987م کے اختتام پر مدرسہ منظر العلوم بلی رام پور میں داخلہ لیا۔ اس وقت اس کے ناظم اعلیٰ جناب ماسٹر عبدالرؤف صاحب رحمہ اللہ اور صدر المدرسین جناب مولانا عبدالحنان قاسمی رحمہ اللہ تھے، اور اساتذہ میں شیخ محمد علی مدنی صاحب حفظہ اللہ، مفتی محمود عالم عمری رحمہ اللہ اور استادگرامی رحمہ اللہ قابل ذکر تھے۔ تعلیمی نظام بڑا منظم اور دلکش تھا۔ تین اساتذہ اپنے اپنے فن کے شہسوار تھے۔

۱-مولانا محمد علی مدنی صاحب حفظہ اللہ فن حدیث کے۔

۲-مولانا مفتی محمود عمری جھکاوی رحمہ اللہ فن فقہ وفتاوی کے۔

۳-مولانا عبدالحنان قاسمی رحمہ اللہ فن صرف کے۔

لیکن استادگرامی ان تمام فنون علم کے ساتھ فن نحو اور فن ادب عربی وانشاء کے بھی شہسوار نظر آئے۔ اس وقت چمپارن کے مدارس میں تین اساتذہ فن صرف کے امام مانے جاتے تھے، حالانکہ تینوں ہی مغربی چمپارن کے نہیں تھے۔

۱- مولانا انیس الرحمان صاحب قاسمی، پنڈری، استاد نعمت العلوم دیولیا، نرکٹیا گنج۔

۲- مولانا عبدالحنان صاحب قاسمی، لہسنیا، استاد منظر العلوم بلی رام پور۔ یہ دونوں ضلع مشرقی چمپارن کے تھے اور دونوں دارالعلوم دیو بند کے فارغ التحصیل، ہم سبق اور رفیق خاص تھے۔ تیسری آپ کی شخصیت بارزہ تھی۔ زہے قسمت راقم الحروف کو ان تینوں کی خوشہ چینی کا شرف حاصل ہے۔

استادگرامی انگریزی اور ریاضی کی بھی اتنی معلومات رکھتے کہ عصری علوم یافتہ بھی آپ سے رجوع کرنے پر مجبور ہوتے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے، ایک دن حساب کے متخصص استاد (گھور پکڑی کے تھے نام ظاہر کرنا مناسب نہیں) فوقانیہ کے طلبہ کو حساب پڑھا رہے تھے اسی کمرہ میں استادگرامی ہم طلبہ کو نحومیر کا درس دے رہے تھے۔ جب تدریس سے فارغ ہوئے، تو دیکھا کہ ماسٹر صاحب ایک حساب کی تحلیل میں کئی اوراق سیاہ کر چکے ہیں اور انتقال درس کی گھنٹی بجنے میں محض پانچ منٹ باقی ہے۔ ماسٹر صاحب نے حساب کی کتاب آپ کی طرف بڑھا دی، آپ نے ایک بار فارمولہ پر نظر دوڑائی اور بغیر رف کے آن واحد میں حساب بنا کر سامنے رکھ دی۔ آپ کو اپنی علمی صلاحیت پر چنداں فخر نہیں تھا اور نہ ہی انا کو اپنے قریب آنے دیتے تھے، شفقت ومحبت اور حلم و بردباری آپ کا طرۂ امتیاز

تھا۔ ہمارے ہم درسوں میں ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب سلفی جھمکا، مولانا عبداللہ صاحب تیمی سیرھی قابل ذکر ہیں ہم لوگ تبھی سوتے جب اسباق از بر ہوجاتے۔ اس دوران ہم لوگ کئی بار آپ کو زحمت دیتے، لیکن آپ کبھی ناراض نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر مرتبہ شفقت کے ساتھ ترجمہ کرتے، سمجھاتے۔ مولانا شکیل احمد اثری حفظہ اللہ بیان کرتے تھے کہ مولانا عبداللہ صاحب فیضی رات میں گہری نیند میں بھی ہوتے اور ہم لوگ دروازہ کھٹکھٹائے تو وہ فوراً اٹھکر بیٹھ جاتے اور جو بھی درسی مشاکل ہوتے اسے حل کرتے مگر ان کے چہرے پر کوئی شکن نہیں پڑتا۔

استادگرامی کے زیر تدریس منثورات، دیوان المتنبی، نحو میر، ھدایۃ النحو اور شرح مائۃ عامل جیسی کتابیں ہوتیں۔ جب دار البنین، دار البنات میں تبدیل ہوا اور اس کا معیار تعلیم فضیلت تک پہونچا، تب سبعہ معلقہ، سنن ابی داود، سنن ترمذی بھی پڑھانے لگے تھے۔ شعروشاعری سے زیادہ دلچسپی تو نہیں تھی مگر ردیف وقافیہ کی اصلاح کردیا کرتے تھے۔ جھمکا میں ہر سال مشاعرے کا پروگرام منعقد ہوتا اس میں آپ کی تحریک وترغیب پر جو جھمکاوی طلبہ اس میں حصہ لیتے ان کے اشعار کی اصلاح وتصحیح میں آپ کا بھی تعاون ہوتا۔

استادگرامی ایک خالص دینی عربی ادارہ کے فارغ التحصیل تھے۔ باوجود اس کے مکان اور مسجد کا نقشہ ایک سند یافتہ انجینئر کی طرح تیار کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد یاسین اثری حفظہ اللہ، بانی کلیہ فاطمۃ الزہراء کے بیان کے مطابق ان کے توسط سے جتنی مسجدیں تعمیر ہوئی ہیں سب کا نقشہ آپ نے ہی تیار کیا تھا اور بغیر کسی آلہ کے قبلے کا سمت بھی متعین کیا تھا۔ میری بستی بھیڑ یہاری میں بھی مولانا محمد یاسین اثری حفظہ اللہ نے میری ہی گزارش پر جو مسجد بنوائی ہے اس کے تاسیسی پروگرام میں استادگرامی شریک تھے اس کا بھی نقشہ آپ نے ہی تیار کیا تھا اور پہلی تاسیسی اینٹ آپ نے ہی رکھی تھی۔

استادگرامی کو مدرسہ کے اصول وضوابط کا بڑا خیال تھا۔ ہر جمعرات کو گھر جاتے اور سنیچر کو وارننگ کی گھنٹی سے پہلے ہی مدرسہ پہنچ جاتے تھے، کبھی کبھی طلبہ کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ آپ گھر بھی گئے تھے۔ جبکہ قرب وجوار کے اکثر اساتذہ پہلی گھنٹی بھاگ دوڑ کر پکڑتے تھے۔

استادگرامی پنجگانہ نماز کے بھی بہت پابند تھے۔ فجر کی امامت خود کرتے اور دونوں رکعت میں مکمل سورہ یاسین پڑھ جاتے۔ آپ کے عمدہ اخلاق اور حسن سیرت وسلوک سے گاؤں کے لوگ بھی بہت متاثر تھے، بلاتفریق امیر وغریب، خواندہ اور ناخواندہ سبھی لوگ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، بلکہ معتبر لوگوں سے میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مدرسہ کی تعلیمی شہرت کی اول اور آخری اینٹ مولانا عبداللہ فیضی ہی ہیں۔ آپ کی موت مدرسہ منظر العلوم بلی رام پور کے ایک دور کا خاتمہ ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

صرف بلی رام پور ہی نہیں بلکہ آپ کی مقبولیت آپ کی بستی کھلوچڑی میں بھی تھی، جبکہ وہاں کی اکثریت حنفی مقلدوں کی ہے۔ جو منظر العلوم سے چڑتے ضرور تھے۔ لیکن آپ کی شخصیت سے مرعوب تھے۔ محض آپ کی عقیدت میں منظر العلوم کا بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے تھے۔ فصلی مواقع پر اکثر لوگ اپنا غلہ آپ کے دولت خانے پر خود سے پہنچا دیا کرتے

تھے۔ میری بستی بھیڑ یہاری منظر العلوم کے لئے ستون کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے بانیین کے ناموں میں حافظ محمد افضل رحمہ اللہ کا نام گرامی سرفہرست ہے جو اسی بستی کے تھے۔ اسی لئے دارالھدی کے بعد سب سے زیادہ تعاون بھیڑ یہاری سے منظر العلوم ہی کو ملتا ہے۔ مولانا محمد یاسین اثری حفظہ اللہ کے دور نظامت میں بھیڑ یہاری بستی میں فصلی وصولی پر مامور مدرس کی کوتاہی اور ذاتی طور پر لوگوں کی ان سے بدظنی نے فصلی تعاون کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ ناظم مدرسہ مولانا محمد یاسین اثری صاحب حفظہ اللہ نے اس کی تلافی کے لئے استادگرامی مولانا عبداللہ فیضی رحمہ اللہ کو اس بستی کی وصولی پر مامور کیا۔ آپ جب بھیڑ یہاری گئے تو وہاں کے لوگوں نے نہ یہ کہ اس نقصان کی تلافی کی بلکہ فرط عقیدت میں وصولی میں ان کا ساتھ بھی دیا۔ چنانچہ سابقہ تمام ریکارڈوں کے مقابلے میں اس سال دھان کی وصولی دوگنی ہوگئی تھی اور بقول ناظم اعلیٰ اس سال دھان پچیس من ہوا تھا جبکہ اس سے قبل بمشکل دس من ہوتا تھا۔

استادگرامی کی علمی شخصیت گوناگوں خوبیوں کی جامع تھی۔ فطرتی طور پر آپ ہنس مکھ، کم سخن، خوش گفتار، ملنسار، پروقار، سنجیدہ، متواضع اور سادگی پسند تھے۔ علمائے مئو کی طرح سفر وحضر ہر جگہ علم وفضل کی موتیاں لنگی ہی میں بکھیرتے رہتے تھے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

استادگرامی کو دفتری کاز اور اداری امور کا کافی تجربہ تھا۔ مولانا محمد یاسین اثری حفظہ اللہ کے پندرہ سالہ دور نظامت میں مدرسہ کی بیشتر اہم ذمہ داریاں آپ ہی کے سپرد تھیں۔

آپ نے مدرسہ منظر العلوم کی تدریسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد دیگر تعلیمی اداروں کی تعمیر وترقی میں بھی حصہ لیا۔ کلیہ فاطمہ الزہراء جو بلی رام پور کے جنوبی محلّہ میں واقع ہے۔ استادگرامی اس کی مجلس عاملہ وشوری کے صدر تھے۔ اضافی اوقات میں کلیہ کی طالبات کو عربی ادب وانشاء اور نحو وصرف پڑھاتے تھے۔ تقریبا چھیالیس سال درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے کے بعد اخلاق وکردار کا پیکر، علم وعرفان اور فضل وکمال کا آفتاب ۲۰۲۰/۱۱/۲۲ء کو ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے، مراتب کو بلند فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

قابل ذکر اساتذہ کرام:

۱- قاری عبدالسبحان فیضی رحمہ اللہ۔
۲- مولانا حبیب الرحمان فیضی رحمہ اللہ۔
۳- مولانا محفوظ الرحمان فیضی صاحب۔
۴- مولانا سہیل احمد مدنی صاحب۔
۵- حافظ وقاری نثار احمد فیضی صاحب۔
۶- مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب۔
۷- مولانا محمد حنیف مدنی رحمہ اللہ۔
۸- مولانا محمد اسحاق فیضی صاحب۔

ممتاز تلامذہ:

۱- مولانا اصغر علی امام مھدی صاحب حفظہ اللہ، امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند۔
۲- مولانا عبدالرحمان مدنی صاحب حفظہ اللہ، استاذ

جامعہ امام ابن تیمیہ، چندن بارہ۔
۳-مولانا عبدالمنان عبداللطیف مدنی صاحب حفظہ اللہ، استاذ، جامعہ فیض عام مئو۔
۴-مولانا عبدالعلیم عبدالحفیظ سلفی صاحب حفظہ اللہ، داعی جالیات سعودی عرب۔
۵-مولانا شکیل احمد صاحب استاد جامعہ امام ابن تیمیہ

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۵۷)

جامعہ میں سال نو کے تعلیمی سلسلے کا آغاز

جامعہ میں قدیم طلبہ کو ۲۳ر اپریل ۲۰۲۴ء سے بلایا گیا تھا کچھ طلبہ ۲۳ اپریل سے پہلے بھی جدید طلبہ کے ساتھ آچکے تھے اور کچھ طلبہ کے آنے کا سلسلہ ۲۳ اپریل سے شروع ہوا تعلیمی کمیٹی کے ذمہ دار اساتذہ جدید جدول کی تیاری میں لگے رہے ۲۹ اپریل سوموار کے دن سے جدید جدول کے مطابق سال ۲۰۲۴ء و ۲۰۲۵ء کے تعلیمی سلسلے کا آغاز ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کے اس تعلیمی سلسلے کو جاری رکھے اور ذمہ داران جامعہ کو جامعہ کے تعلیمی نظام کو مزید بہتر سے بہتر بنانے کی توفیق دے آمین۔

(بقیہ صفحہ ۵۸)

...لیکن بغیر خوشبو کے اور معقول شرعی پردہ کے ساتھ جائے گی جیسا کہ احادیث صحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے۔ فتح الباری (۵۲۹/۲)، فتاوی اللجنۃ الدائمۃ (۲۸۶/۸۱، ۲۸۷)، فتاوی ابن باز (۸/۱۳)، فتاوی ابن جبرین (۴۹/۹)، فتاوی الشبکۃ الاسلامیۃ (۱۱۰۷/۱۱) مواقع الاسلام سوال وجواب (۲۰۴۰/۵) ملاحظہ فرمائیں۔

مذکورہ تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ عورتیں عیدین کی نماز مصلی ہی میں پڑھیں گی۔ یہی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور یہی سنت کا طریقہ ہے چنانچہ ماضی قریب کے عظیم فقیہ ومفتی شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے لئے مشروع ہے کہ مردوں کے ساتھ عیدین کی نماز مصلی/عیدگاہ میں ادا کریں جیسا کہ 'صحیح بخاری' کی حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے اور گھروں میں عید کی نماز ادا کرنے کا ثبوت نہیں ہے۔
(فتاوی نور علی الدرب للعثیمین: ۱۹۰)

صورت مسئولہ میں بلا کسی شرعی عذر کے عیدگاہ کے بجائے مساجد میں عورتوں کا عیدین کی نماز پڑھنا کسی صورت سے مسنون طریقہ نہیں ہے، بلا ضرورت شرعیہ ایسا کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ عیدین کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا ہی مشروع ومسنون ہے، اِلا یہ ہے کہ شرعی عذر ہو جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے واضح طور پر معلوم ہوا۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

ابوعفان نور الہدیٰ عین الحق سلفی
جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆

اخبار جامعہ

مولانا ابوصالح دل محمد سلفی

لمبی تعطیل کے بعد جامعہ دوبارہ کھلا

رمضان المبارک کی لمبی تعطیل کے بعد بتاریخ ۲۰ر اپریل ۲۰۲۴ء بروز سنیچر جامعہ دوبارہ کھل گیا۔ایک روز پہلے ہی ۱۹ر اپریل جمعہ کے دن ہی سے جدید طلبہ اپنے گارجین کے ساتھ جامعہ کے احاطہ میں نظر آنے لگے تقریباً ڈیڑھ مہینہ سے جامعہ کے درودیوار پر جو ویرانی چھائی ہوئی تھی وہ چہل پہل اور رونق میں بدل گئی، جامعہ میں داخلہ کے امیدواروں کے ساتھ ملک کے کونے کونے سے طلبہ جامعہ آتے ہیں اور داخلہ امتحان میں شریک ہوتے ہیں اور حسب گنجائش جامعہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے قبول کیے جاتے ہیں۔ جامعہ کے اساتذہ بھی جامعہ کھلنے سے ایک دو روز پہلے ہی سے جامعہ آنا شروع ہوجاتے ہیں۔اس بار بھی جامعہ کے تمام اساتذہ وقت پر حاضر ہوکر اپنی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں لگ گئے۔

جامعہ میں داخلہ امتحان اور نئے داخلے

۲۰ر اپریل ۲۰۲۴ء بروز سنیچر جامعہ کھل گیا اساتذہ جامعہ حاضر ہوچکے تھے اور جدید طلبہ کے آنے کا سلسلہ سنیچر کے دن بھی جاری رہا، شؤون الطلاب اور شیخ الجامعہ کی آفسیں ظہر کے وقت تک کھلی رہیں اور جدید طلبہ اپنی کاغذی کارروائیاں مکمل کرانے کے لئے آفسوں میں آتے جاتے رہے جامعہ کے آغاز کا پہلا دن داخلہ امتحان کے انعقاد کی تیاریوں میں گزر گیا ۲۱ر اپریل بروز اتوار صبح ساڑھے آٹھ بجے جامعہ کی عالیشان مسجد میں داخلہ امتحان کے انعقاد کا اعلان کیا گیا تھا طلبہ وقت پر حاضر ہوئے نگراں اساتذہ بھی اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے مسجد میں حاضر ہوئے وقت سے امتحان شروع ہوا اور ساڑھے دس بجے امتحان ختم ہوگیا، ممتحن اساتذہ کاپیوں کی چیکنگ میں مشغول ہوگئے اور ساڑھے بارہ بجے تک تحریری امتحان کی کاپیوں کے نمبرات درج کرلئے گئے واضح ہو کہ جامعہ میں مرحلہ متوسطہ میں اولی متوسطہ، مرحلہ عالمیت میں عالمیت سال اول اور مرحلہ کلیات میں کلیہ سال اول کے لئے امتحانات لئے جاتے ہیں تحریری اور تقریری دونوں طرح سے امتحانات لئے جاتے ہیں تحریری امتحانات کے کل نمبرات ۶۰ ہوتے ہیں جبکہ تقریری امتحان کے کل نمبرات ۴۰ ہوتے ہیں ۲۲ر اپریل ۲۰۲۴ء بروز سوموار صبح ساڑھے آٹھ بجے سے تقریری امتحانات کا آغاز ہوا ہر ہر مرحلے کے ممتحن اساتذہ الگ الگ حلقے بنا کر بیٹھے ہوئے تھے ظہر تک امتحانات کا سلسلہ چلتا رہا ظہر کے بعد تینوں مرحلے کے نتائج کا اعلان کردیا گیا۔

(بقیہ صفحہ ۵۶ پر)

☆☆☆

باب الفتاویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں:

ہمارے علاقے میں کچھ سالوں سے عورتیں عیدین کی نماز مسجد میں عورت کی امامت ہی میں ادا کرتی ہیں۔ واضح رہے کہ عیدگاہ میں جگہ کی کمی ہے یا نہیں ہے تو اس صورت میں عورتوں کا مسجد میں نماز عیدین ادا کرنا درست ہوگا؟

قرآن وحدیث کی رو سے جواب دیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے گا۔

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب.

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ نے عورتوں کو نماز عید کے لئے عیدگاہ لے جانے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ صحیح البخاری، کتاب العيدين، باب التكبير أيام منى وإذا غدا إلى عرفة، رقم الحديث (۹۷۱) کے اندر حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها، حتى نخرج الحيض فيكن خلف الناس فيكبرن بتكبيرهم ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. یعنی ہمیں عید کے دن (عیدگاہ کی طرف) نکلنے کا حکم دیا جاتا تھا حتی کہ باکرہ اور حائضہ عورتوں کو بھی نکلنے کا حکم دیا جاتا تھا، حائضہ عورتیں مردلوگوں کے پیچھے ہوں گی، ان کی تکبیروں کے ساتھ تکبیر کہیں گی اور ان کی دعاؤں کے ساتھ دعائیں کریں گی، اس دن کی برکت اور پاکی کی امید رکھیں گی۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو عیدگاہ لے جانا واجب ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے یہی قول نقل کیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتح الباری (۲/۵۷۹)۔

حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

حق على كل ذات نطاق الخروج إلى المصلى للعيدين. یعنی ہر عورت پر عید کی نماز کے لئے مصلی کی طرف نکلنا ضروری ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۷۸۵، ۵۷۸۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "حق" سے مراد وجوب بھی ہوسکتا ہے اور سنت مؤکدہ بھی ہوسکتا ہے، اس کے بعد موصوف رحمہ اللہ نے بہت سارے علماء کرام کے اقوال کو نقل کیا ہے، جن میں سے ایک قول وجوب کا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، جبکہ بعض دیگر علماء اور مفتیان عظام کا کہنا ہے کہ عورتوں کا نماز عید کے لئے مصلی کی طرف جانا سنت مؤکدہ ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵۶ پر)

PRINTED BOOK

ISSN 2394-0212

March & April 2024

Vol.XL1 No.3-4

R.No. 40352/81

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Website: www.mohaddis.org

Published by: Obaidullah Nasir, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi, Edited by: Mohammad Ayoob Salafi

Printed at Salafia Press, Varanasi.